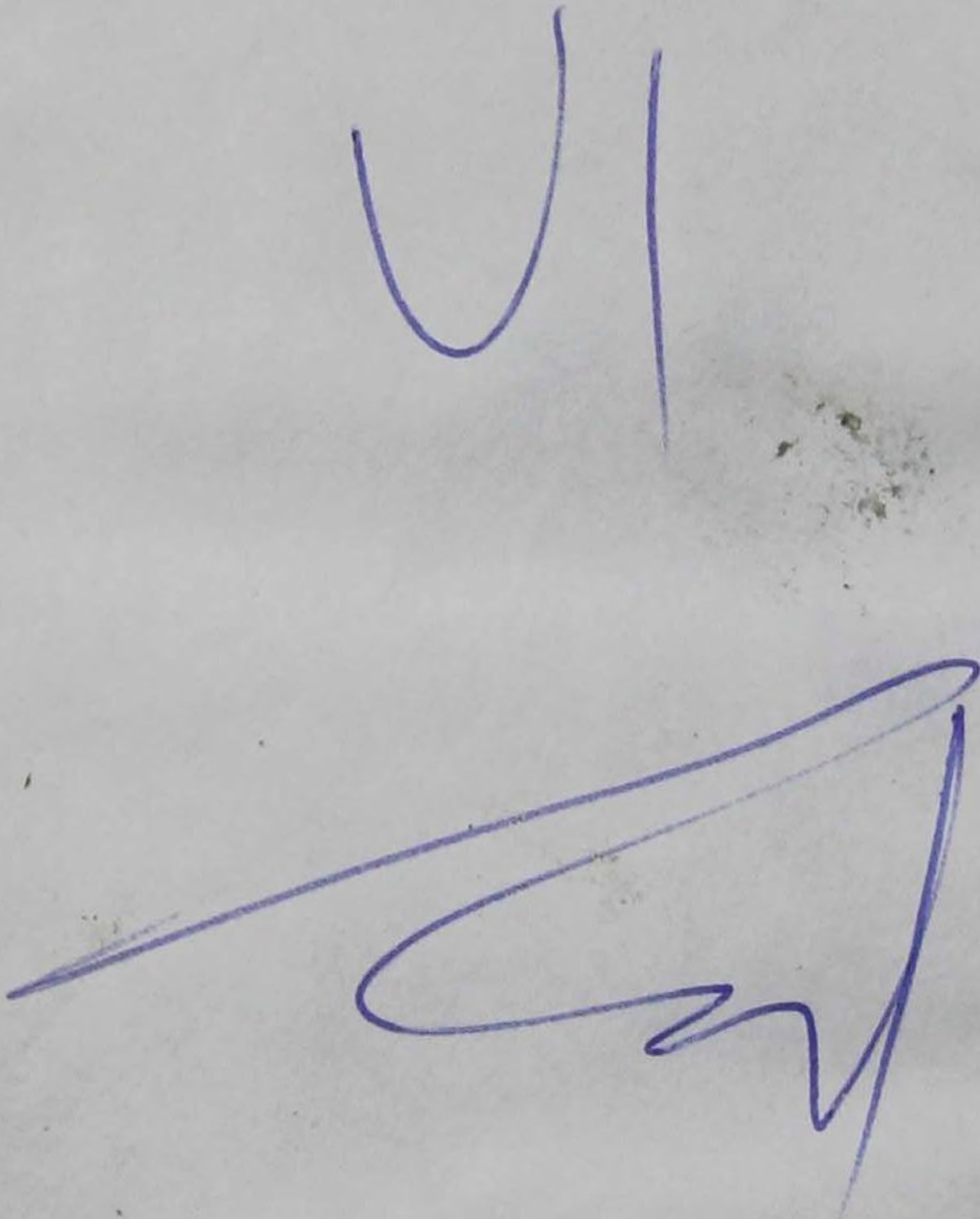
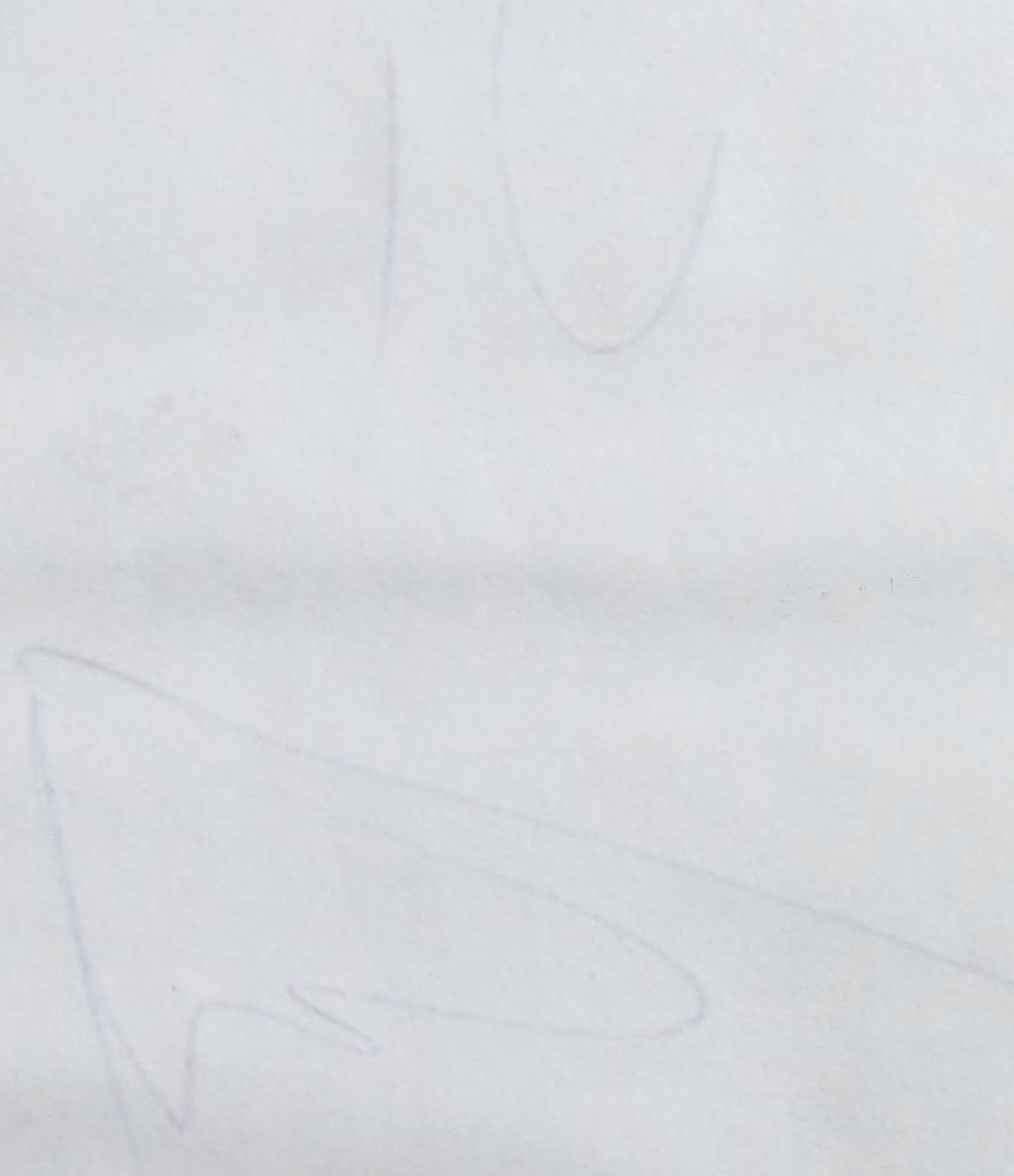
U1
Av 76 A





ہندوستان کے مشہور سیاسی رہنما بہار کے وزیر ترقی،
ڈاکٹر سید محمود کی نجی بیاض،

جو

بزمانہ قید فرنگ احمد نگر جیل میں مرتب ہوئی

ارمغان آلام

جس میں

اردو فارسی ہندی اور بعض عربی کے نہایت مفید و دلچسپ
اشعار کا انتخاب درج ہے

مع

مقدمہ

مولانا عبدالمالک صاحب آروی

مطبوعہ

نظامی پریس بدایوں

پبلشر نظامی بک ایجنسی بدایوں

ق

پرنٹر و پبلشر محمد احید الدین. ایف. آر. ایس. اے. (لندن)

کی بصیرت ادیب کا احساس نقاد کی آنکھیں عام انسانوں کے پاس نہیں ہوتیں، یہ بیاض ڈاکٹر صاحب کے ذوق سلیم کی ایک اہم شہادت ہے اپنی بیاض میں ڈاکٹر صاحب نے ایک جگہ غالب کا ایک فارسی شعر انتخاب کیا ہے یہ شعر پڑھ کر مجھے میرے مرنے والے دوست بابو شنکر دیال فتنہ (بی۔ اے۔ بی۔ ایل) یاد آگئے۔ فتنہ صاحب آرہ کے مشہور وکیل تھے اور پہلے اپنے پیشہ میں بہت کامیاب تھے۔ لیکن زمانہ نے شاعر جان کر ان کے ساتھ اپنی قدیم انتقامی سنت جاری رکھی یہ فتنہ کی شاعری کے پروان چڑھنے کا دور تھا، وہ اردو کے ایک اچھے شاعر تھے، اردو اُن کے خاندان کی چیز تھی، آپ کے والد ماجد بھی اردو کے مصنف گزرے ہیں، پہلے غالب کا نرہ فارسی شعر سنئے جو ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیاض میں درج کیا ہے

ما زندہ از انیم کہ آرام نہ گیریم — موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست

خوب شعر ہے، غالب کی ژرف نگاہی اور ملہمانہ بصیرت دونوں اس میں موجود ہیں[1] مگر میرے مرنے والے فتنہ کی آپ بیتی خدا جانے کیوں مجھ پر زیادہ اثر ڈالتی ہے، فتنہ کہتے ہیں:-

ہیں جیتا ہوں جبتک پریشانیاں ہیں — بسانِ تموج سکوں موت میری

---

[1] مرزا بیدل نے بھی اسی معنی میں ایک شعر کہا ہے۔ لیکن نازک خیالی اور ادائے بیان میں وہ غالب کے شعر سے بھی بہت بڑھا ہوا ہے۔ بیدل کی یہی نزاکتِ خیال اور گہری معنی آفرینی تھی جس کا تتبع غالب نہ کر سکا اور طرز بیدل میں ریختہ لکھنے سے ہمت ہار بیٹھا۔ بیدل کا شعر ہے:-

بے قراراں نذر منزل کردہ اند آرام را — موج دریا را بہ ساحل ہم نشینی مشکل است

خیال ایک ہی ہے مشاہدہ اور بصیرت دونوں اعتبار سے غالب اور فتنہ میں کوئی فرق نہیں۔ غالب کی "موج" سے فتنہ کے "تموج" کی ہلکی سی خامی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص آرہ کی گلیوں میں ژولیدہ مو چاک گریباں پھرا ہو اس کے منہ سے "بسانِ تموج" سن کر دل کو ایک تازہ پیام ملتا ہے ایک نئی تلقین نصیب ہوتی ہے۔

بیاض دیکھنے سے پہلے ہمیں خود اس قدر احساس نہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا مذاق شعر و ادب اس قدر ستھرا، لطیف اور دلآویز ہے۔

غالب ایک شعر میں کہتا ہے کہ میری صوفیت کی راہ میں بادہ خواری آڑ بن گئی، اسی وجہ کر میں صوفی مشہور نہ ہو سکا۔ ورنہ میں نے بہت سے تصوف کے معارف و نکات اپنے کلام میں چھوڑے ہیں۔ صوفیانہ شاعری کوئی اچھی چیز ہے یا بری یہ الگ بحث ہے لیکن عربی، فارسی اور اردو کا بہت بڑا ذخیرہ اس صنف پر موجود ہے عرب ایران اور ہند کے امتزاج سے مسلمانوں کے یہاں دوسری ہی صدی ہجری میں تصوف کا میلان پیدا ہو گیا تھا، ہر چند جہاں تک اصلاحی رموز و اشارات کا تعلق ہے مجھے بھی صوفیانہ شاعری پسند نہیں لیکن سری سقطی، رضی الدین علی لالہ، رومی، حافظ اور درد کی شاعری میں صوفیانہ رنگ تڑپ اور وجدان کا مطالعہ کر کے مجھے بڑی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس بیاض میں ان کی صوفیت کے گہرے آثار پائے جاتے

ہیں۔ آپنے اس میں بہت سی صوفیانہ اشعار نقل کئے ہیں۔ حضرت آسی کی پاک صحبتوں کے فیضان سے ابتدا ہی میں آپ کو صوفیانہ مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ ابن یمین کے قطعات رومی کے اشعار اور آسی کا عرفانی کلام انتخاب کرکے ڈاکٹر صاحب نے اپنا صوفیانہ ذوق بے نقاب کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہی صوفیت تھی جس نے ان کو اسلام کا سچا پیرو رکھتے ہوئے فرقہ پرستی سے بہت بلند رکھا۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء ہی سے جبکہ آپ ابھی علیگڑھ میں ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے آپکی شخصیت میں ایک "آئیڈیل ہندوستانی" بننے کے عناصر کار فرما ہونے لگے، پھر بھی آج جو درد، جو احساس اور جو فکر نکبت زدہ مسلمانوں کے لئے آپکے دل میں موجزن ہے وہ اسلام کے نام پر دھوکہ دینے والے کسی بڑے سے بڑے لیڈر کو بھی میسر نہیں، حالانکہ ہر قوم پرور مسلمان قوم کا دشمن اور ملت کا باغی سمجھا جاتا ہے۔

اس بیاض کے مطالعہ سے ڈاکٹر صاحب کی فلسفیانہ بصیرت پر بھی روشنی پڑتی ہے شعر و ادب کا رچا ہوا مذاق آخر انسان کو فلسفہ کی گہرائی میں لے جاتا ہے، ڈاکٹر صاحب اپنی تعلیمی زندگی میں ہی فلسفہ کا عمیق مطالعہ کر چکے ہیں، اور اس کے ایک مستند فاضل ہیں۔ فلسفہ ہمیں کائنات اور زندگی کے حقایق بتاتا ہے، کائنات کیا ہے، کیوں ہے، ہمارا اس سے کیا تعلق ہے، زندگی کی ماہیت کیا ہے، تعمیر و تخریب کا یہ سلسلہ لامتناہی جو زندگی میں پایا جاتا ہے کیوں ہے، اسکی غرض و غایت کیا ہے۔ ان مشاہدات و تجارب نے شعراء صوفیہ

اور فلاسفہ کی مختلف جماعتیں پیدا کر دیں۔ کسی کا دل رجائیت سے مملو ہوا کسی کا قنوطیت سے شعر، تصوف اور فلسفہ میں رجائیت اور قنوطیت کے یہ آثار ہمیں مکمل طور پر نظر آتے ہیں میر، قائم، ضیا ساری زندگی روتے رہے، سودا، جرأت، داغ، ریاض ساری زندگی ہنستے رہے۔ جرمنی کا مشہور فلسفی "شوپنہار" زندگی کو ایک روگ بتاتا ہے اور "مشیت" کو "اندھی" یونان کا ابیقورس زندگی میں نور و سرور لطف و مزا پاتا ہے اور ہنستے کھیلتے لطف اٹھاتے اسکو بسر کر دینے کی تلقین کرتا ہے، آخر انسان میں یہ متضاد رجحانات کیوں پیدا ہوئے؟ اس میں شک نہیں بڑی حد تک یہ حیاتیاتی مسئلہ ہے، اعضا و جوارح کی ساخت، قلب و دماغ کی تکوین پر اس کا مدار ہے، بادشاہ کی گود میں پلنے والے زندگی میں تیاگی ہو گئے، گوتم بدھ، بھرتری ہری، شاہ شجاع کرمانی، خواجہ احمد بن حمدان، رکن الدین علاء الدولہ نے بادشاہوں کی آغوش میں آنکھیں کھولیں اور فقیری کا لباس پہن لیا ان کے احساس کی تخلیق ان کے فقر و مصیبت کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے دل کے بڑھے ہوئے تاثرات اور ذہن کی وسعتوں نے انکو اس منزل پر پہونچایا۔ اسی طرح کسی شاعر یا فلسفی کا تفاؤل اس کی زندگی کی کامرانیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ بعض ایسے شعرا بھی ہوئے جو زندگی میں فائز المرام نہ تھے، پھر بھی ساری عمر وہ ہنستے ہنساتے رہے۔ اس نقطہ نظر سے ہم ڈاکٹر صاحب کی بیاض پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں ہمیں ناامیدی و اضمحلال کا

کہیں شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ آپ کا دل ولولوں سے بھرا ہوا، آپ کی آنکھیں نور و سرور سے تابناک اور آپ کا ذہن حوصلہ افزا تصورات سے مملو ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بیاض میں میر کے اشعار بھی دیئے ہیں، میر ایک قنوطی شاعر تھے، یہاں تک کہ ناامیدی و محرومی ہی میں انکو مزہ ملنے لگا تھا، ان کے دواوین انکی حسرتوں، ان کے ارمان اور انکی المناک زندگی کی پُر درد کہانیاں ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے ان کے چند اشعار دیکر خود اپنے رجحان اپنی نفسیات کو نمایاں کیا ہے آپنے ایک جگہ میر کا یہ شعر نقل کیا ہے:۔

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے　　یعنی آگے بڑھیں گے دم لیکر

اس میں میر کی حقیقی روح شاعری موجود نہیں ہے۔ سطور بالا میں لکھا جا چکا ہے کہ خود شاعر کے یہاں وہ یکسانیت نہیں پائی جاتی جو انتخاب کرنے والے کے یہاں پائی جاتی ہے میر نے بہک کر یہ شعر کہا ہے وہ اپنے جادۂ راہ سے دور چلے گئے۔ شعر کے حسن و جامعیت سے کس کو انکار ہے لیکن میر کی سوداویت کا حقیقی عنصر اس میں موجود نہیں۔ ڈاکٹر صاحب رجائیت کے حامل ہیں زندگی میں ولولہ محسوس کرتے ہیں اور ہمیں اپنا مقدر درخشاں بنانے کا پیام دیتے ہیں، اس لئے یہ قدرتی امر تھا کہ آپ میر کا انتخاب کریں تو وہی شعر نقل کریں جو آپ کے معیار زندگی پر صحیح اترے۔ میر تو ہمیں اتنا رُلا چکے ہیں کہ اب آنسو خشک ہو گئے۔ انکو پڑھنے کے بعد ہمارا تصور زندگی نہایت المناک اور پُر درد بن جاتا ہے

محرومیاں ہم پر چھانے لگتی ہیں اور اضمحلال، بیچارگی اور یاس ہماری رگ وپے میں سرایت کرنے لگتی ہے۔ میرکسی قوم کے عہد زوال کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب جیسا متفاول نقاد میر کا شعر انتخاب کرنے لگتا ہے تو وہ اپنی آنکھیں اُن احساسات سے بند کر لیتا ہے جو زندگی کو محرومیوں کی حامل بنا دیں۔ میر کا شعر ہے :-

ایک محروم چلے میر ہمیں دنیا سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ

بیشک میر نے اس میں اپنی جراحت ہستی کا ذکر کیا ہے لیکن کیا اسمیں ایک آرزو کی جھلک نہیں کیا اسمیں میر کی شاعری کا منفیانہ پہلو پایا جاتا ہے ؟ قطعاً نہیں۔ میر یہاں آرزومند نظر آتے ہیں یہ اور بات ہے کہ قسام ازل نے اپنے فیضان سے ان کو محروم رکھا۔ لیکن ہمیں وہ یہ بھی پیام دے گئے کہ زمانہ میں لوگوں کو بہت کچھ ملا۔ یہی وہ پیام ہے جو بنیادی طور پر میر کے حقیقی احساس شعری سے الگ چیز ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس کا انتخاب کیا۔ کیونکہ اس میں رجائیت کا پیام تھا۔ میر کے بہت سے اشعار آپنے انتخاب کیئے ہیں لیکن سب میں ڈاکٹر صاحب کی نفسیات کی کارفرمائیاں نظر آتی ہیں، ہاں میر کا یہ شعر بھی بیاض میں مجھے نظر آیا۔ ؎

اس غمکدے میں آہ دلِ خوش کہیں نہیں
کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں

اور میں بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ آخر ڈاکٹر صاحب نے اس کا انتخاب کیوں کیا، یہ

آپکی فطرت، رجحان اور جمہوری تصور کے بالکل منافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بیاض قید و بند کی زندگی میں مرتب ہوئی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے قلب و ذہن پر عارضی محزونی کی کیفیت طاری نہیں ہوتی ہوگی! یہی وجہ ہے کہ اسکی ترتیب میں جو غیر منظمانہ دلآویزی پائی جاتی تھی اسکو باقی رہنے دیا گیا تاکہ زندان کے لمحات درد و آلام اور کیف و انبساط کی ایک ہلکی پھلکی سی تصویر بھی باقی رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک جگہ میر انیس کا یہ شعر لکھا ہے

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے   چُنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو؛

انیسؔ کی شاعری میں ایک بے پناہ گہرائی ہے، انیسؔ کے بلند ادبی رنگ اور معنوی خصوصیات نے جوشؔ پر بھی اثر ڈالا، جوشؔ فرماتے ہیں:۔

نظر کر جھریوں سے شیب کے سمٹے ہوئے رخ پر   یہ وہ بستر ہے دم توڑا ہے جس پر نوجوانی نے

اس بیاض میں بہت سے شعر ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی نظر کی گہرائی، ذوق کی بلندی اور علوئے نفس پر دلالت کرتے ہیں —— ڈاکٹر صاحب نے ابوالعلا معری کے چند اشعار بھی اپنی بیاض میں درج کئے ہیں ان اشعار میں ابوالعلا نے توہم کے مناسک مذہبی کے ساتھ اسلامی مناسک و شعائر پر بھی تنقید کی ہے ڈاکٹر صاحب یہ رائے دیتے ہیں: "اس سے خیال کیا جاسکتا ہے کہ عربی خلافت کے زمانہ میں آزادی خیال کہاں تک بہہ نکلی تھی اور کہاں تک برداشت کی جاتی تھی۔" مشرق اور مغرب دونوں جگہ ابوالعلا کی شہرت ہے، لیکن اسی کے

ساتھ اس کے متعلق متضاد خیالات بھی ہیں۔ ابن اثیر، ذہبی اور ابن حجر اس کے مجرد وزندقہ کے قائل ہیں، ابن اثیر "اللباب" میں اسکی تعریف کرتے ہوئے اسکو بدعقیدہ بتلاتے ہیں۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں راوی حدیث کی حیثیت سے اس کو ساقط الاعتبار اور غیر ثقہ بتایا ہے۔ قاضی ابن خلکان نے "وفیات" میں اسکی شاعری اور ادبیت کی بڑی مدح سرائیاں کی ہیں، امام سیوطی نے اسکی نعت دانی پر عربی نظم میں ایک رسالہ لکھا ہے اس کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس محفوظ ہے، فیروزآبادی نے مشرق میں اسکو اپنے عہد کا سب سے بڑا ماہر لسان ادیب و نحوی تسلیم کیا ہے، ڈاکٹر ٹی جے بوہر "تاریخ فلسفۂ اسلام" میں نہ تو اسکی فلسفیانہ شاعری کا قائل ہے نہ اسکو کسی نظام فلسفہ کا موجد بتاتا ہے وہ اس کے تشاؤم پر بھی چیں بہ جبیں ہے، ہاں وہ اعتراف کرتا ہے کہ اگر ابوالعلا نابینا نہ ہوتا تو بہ حیثیت ایک ماہر لسان اور مورخ ایسی تنقیدیں لکھ جاتا جس سے علم و ادب کی کچھ خدمت ہوتی، الغرض ابوالعلا، شاعر و ادیب کی حیثیت سے تو مقبول انام ہے لیکن مذہبی عقائد کی بدولت اسلامی ادبیات میں وہ سخت مطعون ہے۔ ابوالعلا کے افکار و عقاید میں نہ رواداری کا سبق ملتا ہے نہ وسعت نظر کا، بلکہ وہ ایک گمراہ تھا اور روح مذہبی سے بیگانہ، اسکو چاہے آزادی خیال کہہ لیجئے خواہ وسعت مشربی! ✣

رفیقۂ حیات کے نام

جن کے دیندارانہ تاثرات نے مادی دنیا کی آسائشوں سے بلند تر روحانی فضا سے مجھ کو بہرہ مند کیا، جن کے اخلاقی جمال نے میرے چشمہائے قلب و دماغ کو روشن تر بنایا، اور جن کے صبر و سکون نے قید و محن کی سختیاں مجھ پر آسان کر دیں۔ یہ نگارستان سخن کی گلچینیاں جو خلوت خانۂ زنداں کی یادگار و ہمراز ہیں، محرم رازِ حیات کی خدمت میں قیدِ محمود کے مشاغلِ جمیلہ کی توضیح و تشریح کی غرض سے پیش کی جاتی ہیں ؎

چوں نہ یابم محرمِ رازِ دگر
تا شود با من شریکِ خشک و تر
چیدہ ام ایں گلشنِ پارینہ را
تازہ دارم داغہائے سینہ را

زندگی را در محن از خود زدم
تا ازیں آتش زرِ خالص شوم

ایں زرِ سارا بہ پیشت آورم
اے خوشا بختم کہ بہشت آورم

فرخا صبحے کہ من بودم دراں
خرما آں لمحے کہ آسودم دراں

رشتۂ جسمِ من از تو دور بود
لیک ہر دو ہمنفس چوں نور بود

نوٹ:- یہ بیاض احمدنگر ہی سے تحفتاً بھیجنا چاہتا تھا مگر نہ بھیج سکا +

محمود

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

بیاض

یہ بیاض شعرا کے ضروری طور پر اچھے اشعار کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ چند شعرا کے وہ اشعار لکھے گئے ہیں جو جمع کنندہ کو پسند آئے۔ اس لئے یہ مختصر مجموعۂ اشعار ذاتی پسند کا مجموعہ ہے نہ کہ اُن شعرا کے بہترین اشعار کا۔

یہ بیاض زمانۂ قید احمد نگر میں مرتب ہو رہی ہے

سید محمود

قلعہ احمد نگر۔ بزمانۂ قید فرنگ،

ارمغانِ آلام

۱۳۶۴ھ

اِس مجموعہ کا تاریخی نام تجویز ہوا

(بزمانۂ قید احمد نگر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشعار

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نہ کشود و نکشاید بہ حکمت ایں معما را
(خواجہ حافظ)

آں کہ بر نقش زد ایں دائرۂ مینائی
نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد "

خبرے نیست کہ منزل گہِ مقصود کجا ست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید "

برو اے زاہد خود بیں کہ زچشم من و تو
رازِ ایں پردہ نہان ست و نہاں خواہد بود "

مردم در انتظار و دریں پردہ راہ نیست
یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد
(خواجہ حافظ)

با خرابات نشیناں ز کرامات ملاف
ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد 〃

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منعِ شراب خوارہ کنم 〃

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند 〃

شمع و گل و پروانہ و بلبل ہمہ جمع اند
اے دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن 〃

قند آمیختہ باگل نہ علاجِ دلِ ماست
بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

(خواجہ حافظ)

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار
چینِ قبائے قیصر و طرفِ کلاہِ کے "

ہمہ کس طالبِ یارند چہ ہشیار و چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت "

در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست
ہر جا کہ ہست پرتوِ روئے حبیب ہست "

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود
بادہ گر خام بود، پختہ کند شیشۂ ما "

شبے مجنوں بہ لیلےٰ گفت کاے معشوقِ بے ہمتا
ترا عاشق شود پیدا و لے مجنوں نہ خواہد شد
خواجہ حافظ

ساقی بیا کہ شد قدحِ لالہ پُر زمے
طامات تا بہ چند و خرافات تا بکے
؍؍

زاں پیشتر کہ عالمِ فانی شود خراب
مارا بجامِ بادۂ گلگوں خراب کن
؍؍

آسماں بارِ امانت نہ توانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند
؍؍

اگر خدائے نہ باشد ز بندۂ خوشنود
شفاعتِ ہمہ پیغمبراں ندارد سُود
شیخ سعدی

بہ ہر جا میر دم اول حدیثِ نیکواں پرسم
کہ حرفِ آں مہِ نا مہرباں را در میاں پرسم

شرف جہاں

ہیچ اکسیر بہ تاثیرِ محبت نہ رسد
کفر آوردم و در عشقِ تو ایماں کردم

(نظیری)

از سوزِ محبت چہ خبر اہلِ ہوس را
ایں شربتِ درد است نہ سازد ہمہ کس را

از حسن ایں چہ سوال ست کہ معشوقِ تو کیست
ایں سخن را چہ جواب ست تو ہم میدانی

حسن

تو از سے زکرم می کنہ محبت نیست
تواں شناختن از دوستی مدارا را

سازد خموشں تا منِ حسرت کشیدہ را
گوید شنیدہ ام، سخنِ ناشنیدہ را
حسن

ایں جورِ دیگرست کہ آزارِ عاشقاں
چنداں نمی کند کہ بہ بیداد خو کنند
۔۔

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست
جامی

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست
حافظ

سرِ خدا کہ عارف و سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
۔۔

رازِ درونِ پردہ چہ داند فلک خموش
اے مدعی نزاعِ تو با پردہ دار چیست

خواجہ حافظ

اسرارِ ازل را نہ تو دانی و نہ من
ویں حرفِ معما نہ تو خوانی و نہ من
هست از پسِ پردہ گفتگوئے من و تو
چوں پردہ بر افتد نہ تو مانی و نہ من

"

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس
گہ گہے پس ماندگانِ راہ منزل می کنند

"

جلوہ بر من مفروش اے ملک الحاج کہ تو
خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

"

ساکنِ کعبہ کجا دولتِ دیدار کجا
ایں قدر هست کہ در سایۂ دیوار هست

چوں عقل و خیال و وہم فانی گشتند
بنگر کہ چہ باقی ست ہم او ولدارست

(اوحدی)

اثباتِ باری تعالیٰ کے ثبوت میں ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ تمام اشیاء کا ہیولیٰ اور مادہ مشترک ہے، اس لئے اگر مادہ اور ہیولیٰ سبب تخلیقِ عالم کا ہوتا تو مختلف اشیاء اور مختلف آثار وجود میں نہ آتے۔ چونکہ دنیا میں ایک ہی سبب سے مختلف معلول وجود میں آتے ہیں اس لئے وہ سبب درحقیقت سبب نہیں، بلکہ کوئی اور سبب ہے اور اُسی کا نام خدا ہے۔ حکیم سنائیؔ کہتے ہیں :-

چرا در یک زمیں چندیں نباتِ مختلف بینم،
ز نخل و نار و سیب و بید و چوں آبی و چوں لیمو

اگر علت طبائع شد وجودِ جملہ را چوں شد ؟
یکے ممسک، یکے مسہل، یکے دارو، یکے طاعون

علمائے ظاہر کے متعلق حکیم سنائیؒ لکھتے ہیں:-

با دو معشوق ناز می کردند   بد و قبلہ نماز می کردند

ہر کہ از وے نزد انا الحق ہر   از بود از جماعتِ کفار

جو شخص انا الحق نہیں کہتا وہ کافر ہے۔   (عطار)

جملہ یک ذات ست اما منتقف

جملہ یک حرف ست اما مختلف

(عطار)

دریں معنی کہ من گفتم شکے نیست

تو بے چشمی و عالم جز یکے نیست

(عطار)

دم بدم در ہر لباسے رُخ نمود   لحظہ لحظہ پائے دیگر پا نہاد

بر مثالِ خویشتن حرفے نوشت   نامِ آں حرف آدم و حوا نہاد

ہم بہ چشمِ خود جمالِ خود بدید

تہمتے بر چشمِ نابینا نہاد

عراقی

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند
بگیتی ہر کجا درد دلے بود بہم کردند و عشقش نام کردند
(عراقی)

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

بہ طوافِ کعبہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند
کہ بروں درچہ کردی کہ درونِ خانہ آئی
(عراقی)

ساقیا برخیز در دہ جام را خاک بر سر کن غمِ ایام را
حافظ

در حیرتم کہ دشمنیٔ کفر و دیں چرا است
از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن
ساکن بت خانہ باش و مردم آزاری مکن

جان ز تن بُردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز

(خسرو)

ما پرتوِ نورِ بادشاہِ ازلیم   فرزندنہ ایم آدم وحوا را

عارف ہم از اسلام خراب ست و ہم از کفر
پروانہ چراغِ حرم و دیر نہ داند

(عرفی)

صوفیہ کے نزدیک دنیا میں کوئی چیز پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی۔ البتہ صورتیں بدل جاتی ہیں، پھر انسان کیوں فنا ہوگا۔ ؎

کدام دانہ فرو رفت در زمیں کہ نہ رُست
چرا بہ دانۂ انسانت ایں گماں باشد

صوفیہ کے نزدیک فنا بقا کا دیباچہ ہے۔ ہر نیا وجود نئے عدم

گا محتاج ہے۔ نئے نئے عالم نہ ہوں تو نئی نئی ہستیاں وجود میں نہ آئیں۔ ترقی دراصل فنا و عالم ہی کا نام ہے۔ یعنی پہلی صورت فنا ہوتی ہے اور ترقی کر کے دوسری صورت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک ہی حالت قائم رہتی تو ترقی کی رفتار رُک جاتی۔ مولانا روم فرماتے ہیں :-

تو از اں روزے کہ در ہست آمدی
آتشے یا خاک یا بادے بُدی

تم جس دن پیدا ہوئے اُس سے پہلے خاک یا کوئی اور عنصر تھے، اور پھر کہتے ہیں :-

گر بر اں حالت ترا بودے بقا
کے رسیدے مر ترا ایں ارتقا

اگر تم اسی حالت میں رہتے تو پھر یہ ترقی کہاں نصیب ہوتی

از مبدل ہستیٔ اول نما ند
ہستیٔ دیگر بجائے او نشاند

بدلنے والے نے پہلی ہستی مٹا دی اور اُسی جگہ دوسری

ہستی قائم کر دی۔

ہم چنیں تا صد ہزاراں ہست ہا
بعد یک دیگر دوئی بہ زابتدا

اسی طرح ہزاروں ہستیاں ظہور میں آئیں، جن میں ہر پچھلی پہلی سے بہتر تھی۔

ایں بقا ہا از فنا ہا یافتی
از فنا پس رو چرا بر تافتی

تم نے یہ بقائیں فناؤں سے پائیں، پھر فنا سے کیوں منہ موڑتے ہو۔

در فنا ہا ایں بقا ہا دیدہ ٔ
بر بقائے جسم چوں چسپیدہ ٔ ؟

تم نے فناؤں میں یہ بقائیں دیکھیں، پھر اب جسم کی بقا پر کیوں لپٹے ہو۔

تازہ می گیر و کہن را می سپار
زانکہ امسالت فزوں آید ز پار

نیا لو اور پرانا چھوڑ دو، کیونکہ ہر نیا سال پرانے سے بہتر آتا ہے۔

عام لوگوں کے نزدیک قیامت کی زندگی اخیر زندگی ہے، لیکن صوفیہ کے نزدیک وہ بھی ترقی کی ایک منزل ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے اور قرآن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے نظامِ عالم کو کسی خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور ہم سب اس مقصد کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ مقصد کیا ہے اور ہم ابھی اُس مقصد سے کتنی دُور ہیں اور ابھی کتنی مسافت باقی ہے اور کتنی طے ہو چکی ہے۔ قرآن ہی سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیامت آخری منزل نہیں ہے۔ قیامت و سزا و جزا منزل کا ٹھراؤ ہے اور اس کے بعد بھی رستہ درپیش ہے۔ اُس سفر کی نوعیت کیا ہو گی اسے کون کہہ سکتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں :-

از جمادی مردم و نامی شدم
از نما مردم بہ حیواں سر زدم

میں نے جمادی کے مرتبہ کو چھوڑا اور نامی ہوا اُس سے آگے بڑھ کر جان دار ہوا یعنی پتھر سے نباتات پھر جاندار۔

مُردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کے ز مُردن کم شدم

جاندار سے گذر کر آدمی ہوا اس لئے مجھے مرنے سے کیا غم ہے۔ مرنے سے میرا کیا نقصان ہے۔

حملۂ دیگر بہ میرم از بشر
تا بر آرم از ملائک بال و پر

دوسرے دھلہ میں بشریت سے گذر کر فرشتہ بن جاؤں گا۔

بار دیگر از ملک پرّاں شوم
آنچہ اندر وھم ناید آں شوم

پھر فرشتہ پن سے آگے بڑھوں گا اور وہ ہو جاؤں گا جو وہم میں بھی نہیں آسکتا۔

آب کوزہ چوں در آب جُو شود
محو گردد دروے و چوں اُو شود

جب کوزہ کا پانی ندی میں چلا جاتا ہے تو وہی ہو جاتا ہے۔

گفتی کہ ہمیشہ من خموشم گویا شدہ پس بہ ہر زباں کیست
تو کہتا ہے کہ میں ہمیشہ چپ رہتا ہوں، پھر یہ کون ہے
جو ہر زبان میں بول رہا ہے۔

گفتی کہ نہانم از دو عالم پیدا شدہ در یگاں یگاں کیست
تو کہتا ہے کہ میں سب سے پوشیدہ ہوں تو یہ کون
ہے جو ایک ایک چیز میں نمایاں ہے۔

گفتی کہ نہ اینم و نہ آنم، پس آں کہ ہم ایں بود ہم آں کیست
تو کہتا ہے کہ میں نہ یہ ہوں نہ وہ ہوں تو وہ کون ہے
جو یہ ہے۔ اور وہ بھی۔

چندانکہ نگاہ می کنم می بینم کورے چندے بطوف کورے چند اند

ہر کہ با زندہ از پئے مردہ می کند جنگ سخت ناداں ست

(شیعہ سنی کے جھگڑے پر خوب عائد ہوتا ہے)

خوشتر از فکرِ مے و جام چہ خواہد بودن
چوں خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن
حافظ

دمے با غم بسر بُردن جہاں یکسر نمی ارزد
بہ مے بفروش دلقِ ماکزیں بہتر نمی ارزد

ساری دنیا اس قابل نہیں کہ ایک لحظہ کا غم گوارا کیا جائے۔ ہمارا خرقہ شراب کے لیئے بیچ ڈالو تو اس سے اچھے اس کے دام نہیں اٹھ سکتے۔
حافظ

اے کہ مے گوئی چرا جامے بہ جانے میخری
ایں سخن با ساقیؑ ماگو کہ ارزاں کردہ است
فغانی

آں کہ ایں نامہ سر بست نوشت ست نخست

گِرہ ہے سخت بہ ہر رشتۂ مضموں زدہ است

جس نے ابتدا میں یہ تحریر لکھی ہے یعنی کائنات کو پیدا کیا مضمون کے دھاگے میں ایک سخت گِرہ بھی لگا دی۔ یعنی اس راز کا سمجھنا سخت مشکل کر دیا۔

زمدہوشی نہ فہمم ہرچہ گوید آں پری پیکر
چہ از بزمش روم مضمونِ آں از دیگراں پرسم
چناں گوید جوابِ من کز و گردد رقیب آگاہ
بہ مجلس گر منِ بیدل از و حرفے نہاں پرسم
زحالِ او اگرچہ آگہم بیش از ہمہ لیکن
زبیتابیٔ شوقِ احوالِ او من این و آں پرسم

شرف جہاں

تہمت زدہ ام کردہ بہ عشقِ دگرے کاش
پرسند کہ غیر از تو بہ عالم دگرے ہست (میلی)

میلی فارسی کا میر تقی میر تھا۔ نہایت درد کا کلام لکھتا تھا۔

چناں طاؤس گو نہ گشت، گوئی،
بجائے نرمی وجائے دُرشتی
زگل بوئے گلاب آید بد نیساں
کہ پنداری گِل اندر گُل سرشتی
دقیقی چار خصلت برگزیدہ ست
بگیتی از ہمہ خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ
مئے خوں رنگ و کیشِ زردہشتی
(دقیقی)

گفتم ایں جامِ جہاں بیں بتو کے داد حکیم
گفت آں روز کہ ایں گنبدِ مینا میکرد
(حافظ)

شرحِ مجموعۂ گل مرغِ سحر داند و بس
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست
"
پھول کے نکات صرف بلبل ہی جان سکتی ہے۔ چند ورق

پڑھ لینے سے معنی نہیں آتا۔

رہرواں را خستگیٔ راہ نیست،
عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است

نہ برخیزہ بہ او دل داد محمود ۔ دلِ محمود را بازی مپندار

نالہ از بہرِ رہائی نہ کند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

صحرائے دلم عشق تو شورستاں کرد
تا مہرِ کسے دگر نہ روید ہرگز

سلطان ابوسعید ابوالخیر

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

خسروؔ

دوستی با دشمنم نہ بہرِ مہر انگیزی است
دوستے را دوست دارم ورنہ دشمن دشمن است

بہ دورِ گردشی من از غرور می خندہ
حریفِ سخت کمانے کہ در کمیں دارم

پس از عمرے اگر حالِ منِ بیمار نمی پرسد
نمی پرسد ز من آں نیز از اغیار می پرسد

یکبار نہ گفتی سخنِ مہر کہ درپے صد گونہ حدیثِ غلط انداز نہ گفتی

در روزِ قیامت ایں بدان کے ماند
کیں کشتۂ دشمن است و آں کشتۂ دوست
شہید قیامت میں عاشق صادق کا کہاں مقابلہ کرسکتا ہے، یہ دشمن

کا مارا ہے، وہ دوست کا۔

خاکسارانِ جہاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

عاشق و عشق و حسنِ یار یکیست
عشق و او صافِ کردگار یکیست
(عراقی)

جانِ ما در بوتہ سودا نہاد
عشق شورے در نہادِ ما نہاد
جستجوئے در درونِ ما نہاد
گفتگوئے در زبانِ ما فگند
(عراقی)

مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرہ عینِ اوست
اما نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند
حافظ

آں ہمہ شعبدہ ہا عقل کہ میکرد آنجا
سامری پیش عصا و یدِ بیضا می کرد

چند چند از حکمتِ یونانیاں حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

انچہ معشوق ست صورت نیست آں
خواہ عشقِ آں جہان و خواہ عشق ایں جہاں

آناں کہ وصفِ حسنِ تو تقریر می کنند
خواب نہ دیدہ راہمہ تعبیر می کنند

چوں قضائے حق رضائے بندہ شد
حکمِ او را بندۂ خواہندہ شد

دانا ہرگز ادائے ناخوش نہ کند
جز پیروی دشمنِ سرکش نہ کند
آتش چو بلند شود برو آب زند
رفعِ آتش کسے بہ آتش نہ کند

(یعنی غصہ کے مقابلہ میں غصہ نہ کرنا چاہئے)

با دنیا و دیں کار ندارد عاشق   مستی و خمار در شراب حق نیست

اِس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بہت زیادہ عباوت سے انسان میں ریاکاری آجاتی ہے۔ اس لئے دین گویا مستی ہے جس کے بعد خمار بھی ضرور پیدا ہوگا۔)

ہنرمند باشد بسانِ گہر   کہ ہرکس مرا ورا خریدار نیست
ہنرمند باید کہ باشد چو فیل   کہ او لایقِ اہلِ بازار نیست

(ابن یمین)

انسان جب واقعات عالم پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی حکیم، عادل، مدبر نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت سی چیزیں بےکار و بےمصرف نظر آتی ہیں، اور بہت سی چیزیں صاف نظر آتی ہیں کہ مضر اور نقصان رساں

ہیں۔ شیر، بھیڑیے، سانپ، بچھو، بجز اس کے کہ لوگوں کو نقصان پہونچائیں اور کس مرض کی دوا ہیں۔ سیلاب، زلزلے، پانی اور ہوا کے طوفان ملک کے ملک برباد کر دیتے ہیں جس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔

لیکن عالم ایک وسیع اور بے پایاں سلسلہ موجودات کا نام ہے اس میں انسان کے دائرۂ علم میں جو حصہ آیا ہے وہ اتنا بھی نہیں جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔ صرف ایک قطرہ کی حالت دیکھ کر کوئی شخص سمندر کے فوائد و نقصانات پر کوئی رائے لگائے تو کیونکر اعتبار کے قابل ہو گی۔ ہم ایک شے کو اپنے لئے یا ایک گروہ کے لئے نقصان رساں سمجھتے ہیں لیکن کل عالم صرف ہمارا نہیں، کاروبار عالم میں ایک شخص یا ایک گروہ کی مصلحت ملحوظ نہیں ہوتی۔ بلکہ تمام عالم کی مجموعی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ جو چیز ہمارے لئے مضر ہے مجموعی حالت کے لحاظ سے مفید ہو۔

گر جہاں از یک جہت بیفائدہ است از جہت ہائے دگر پُر عائدہ است

حسنِ یوسف عالمے را فائدہ　　گرچہ بر اخواں عبثش بد زائدہ

ہر کس کہ خلاص از بد و نیک خود است
اندر ہمہ حال محوِ شانِ احد است
در چشم کسے کہ احوال است زہستی
جز آنچہ موافقِ مراد ست بد است

مادام کہ دست کس بہ ہر سودے ہست
کم راہ برد کہ غیر او بودے ہست
بر وفقِ مراد تو از ان نیست فلک
تا در یابی کہ جز تو موجودے ہست

یعنی اگر آسمان تمہارے اغراض و مقاصد کے موافق کام نہیں کرتا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمہارے سوا اور بھی موجودات ہیں اور ممکن ہے کہ وہ باتیں ان کے مصالح کے لحاظ سے ہوں۔

گفتم کہ مگر قاضی و مفتی ہمہ راہ اند
در راہِ حقیقت بہ حقیقت بلداند
چوں بہ سرِ راہ آمدم دانستم
کیں ہم سفراں ہمہ چوں من نابلداند

پہلے خیال ہوتا ہے کہ علمار قاضی و مفتی آشنائے راز ہوں گے لیکن اصل حقیقت سے سب نابلد ہیں۔

ہر گہ رہم افتاد بہ صحرائے محبت
دیدیم چو خود بے ہُدہ گر بہیڈگزشہ گذشتیم

یعنی جب میرا گزر صحرائے محبت و معرفت میں ہوا تو میں نے دیکھا کہ رہنما بھی میری طرح چکر لگا رہے ہیں؟ اس لیے میں اس کو چھوڑ کر آگے بڑھا۔

زبسکہ پیروئ خلق گم رہی آرد
نمی رویم براہے کہ کارواں رفتہ ست (راقم مشہدی)

در جہاں ہرچہ می کنند عوام
نزدِ خاصاں رسوم و عادت است (ابن یمین)

ہر مذہب میں جو مصلح اور ریفارمر گذرے ہیں انہوں نے ہمیشہ جمہور کی مخالفت کی ہے۔

ناقص غذائے کامل

یہ اصول تمام عالم میں جاری ہو کہ ادنیٰ چیزیں اعلیٰ چیزوں کی غذا ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات پھر انسان۔ مخلوقات کی ترتیب میں جمادات کا درجہ سب سے کم ہے۔ اس لئے نباتات جمادات کے اجزا کو چوستے ہیں اور نباتات کو حیوانات، جو اُن سے بالاتر ہیں کھاتے ہیں۔ اور انسان جو سب سے اشرف ہے اُن کو کھاتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں :۔

حلق بخشد خاک را لطفِ خدا
تا خورد آب و بروید صد گیاہ

باز خاکے را بہ بخشد حلق ء آب
تاگیاہش را خورد اندر طلب
چوں گیاہش خورد حیواں گشت رفت
گشت حیواں لقمۂ انسان و رفت

یہ اصول صرف مادیات میں نہیں بلکہ تمام اشیاء میں جاری ہو ہر اعلیٰ چیز ادنیٰ کو فنا کر دیتی ہے۔ اور اس پر غالب آجاتی ہو تمام عالم اسی غالب و مغلوب کے اصول پر چل رہا ہے۔ ۶

جملہ عالم آکل و ماکول داں

معنوی چیزیں مثلاً مضامین خیالات، مذاہب مختلفہ فلسفہ ہائے گوناگوں، مسائل علمی سب کا یہی حال ہے کہ اعلےٰ ادنیٰ کو فنا کر دیتے ہیں۔ ۶

پس معانی را چو اعیاں حلق ہاست

یعنی موجودات خارجی کی طرح معانی کے بھی حلق ہیں ۔ +

اپنی بے حقیقتی

انسان جب کائنات اور مظاہر قدرت پر زیادہ غور کرتا ہے تو اس کو اپنا بے قدر و بے حقیقت ہونا نظر آتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ بات بات میں وہ دوسری چیزوں کا محتاج ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پر بھی اس کا پورا اختیار نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی نظر آتا ہے کہ تمام چیزیں ایک بڑی قوت کے تحت میں کام کر رہی ہیں۔ اور ایک خاص نظام قایم ہے۔ غور بینی جس قدر بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اپنی بے حقیقتی اور قادر مطلق کے کمال کا زیادہ یقین بڑھ جاتا ہے۔

چندانکہ دریں دائرہ برمی گردم
نقصان خود و کمالِ او می بینم

وحدتِ وجود کی یہی ابتدا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہر چیز میں اسی کو دیکھنے لگتا ہے۔

ترکِ خودی سے جھگڑے مٹ جاتے ہیں

انسانوں میں جو اختلافات اور نزاعات پائے جاتے ہیں اکثر کی بنا خودی اور خود پرستی ہے۔ وہ دشمن سے اس لئے بھڑ جاتا ہے کہ اس کے آگے سر نہیں جھکاتا۔ وہ نکتہ چینی سے اس لئے ناخوش ہوتا ہے کہ اس کے کمال پر حرف آتا ہے، وہ دوسروں کی اس لئے تحقیر کرتا ہے کہ اس کی عظمت ثابت ہو، اس لئے اگر انسان خودی اور شخصیت سے باز آئے تو دوست دشمن آشنا بیگانہ نیک و بد سب تفرقے مٹ جائیں۔

رفتم ز میان من و یکے شد دو جہاں
دیوار فتاد آں سوئے ایں سوئے نماند (سحابی)

یعنی جب میں نے خودی چھوڑ دی تو تمام دنیا ایک ہو گئی۔ جس طرح دیوار گر جاتی ہے تو اس رُخ اور اُس رُخ میں تمیز نہیں ہوتی۔

اختلافِ مذاہب

عرفا کے نزدیک اختلافِ مذاہب کوئی چیز نہیں، جتنے مذاہب ہیں سب برحق ہیں۔ سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ جب سب ایک ہی کو ڈھونڈھتے، ایک ہی کو چاہتے اور ایک ہی کے طالب ہیں تو نام کے اختلاف سے فرق نہیں پیدا ہوتا۔ ہندو بت کو پوجتا ہے لیکن یہ سمجھکر نہیں کہ بت خود کوئی مستقل معبود ہے بلکہ اس نسبت سے کہ اس میں مطلوبِ حقیقی کا پرتو ہے یہ اس کی یاد کا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر ایک عارف کہتا ہے :-

رُوئے تو بہر دیدہ کہ بینند نکوست
نامِ تو بہر زبان کہ گویند خوش است

(سلطان ابوسعید ابوالخیر)

حق می گوید بگوشِ خالص دیناں
مقصد چو منم چہ اختلافست دیں ہا

(سحابی)

ہفتاد و دو فرقہ را طلب گار یکیست
سوئے دریا ست روئے ہر سیل کہ ہست

یعنی بہتروں فرقوں کا مطلوب ایک ہی ہے جس طرح جتنے سیلاب ہیں سب دریا کی طرف جاتے ہیں۔

بات سوچ کر کہنا چاہیئے

سخنِ رفتہ دگر بارہ نیاید بہ زبان
اول اندیشہ کند مرد کہ عاقل باشد
تا زمانِ دگر اندیشہ نباید کردن
کہ چرا گفتم؟ و اندیشہ باطل باشد

بُرے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہیئے:۔

باِبداں کم نشیں کہ صحبتِ بد　گرچہ پاکی، ترا پلید کند
آفتابے بہ ایں بزرگی را
ذرۂ ابر ناپدید کند

زاہد بہ زنِ فاحشہ گفتا مستی
کز خیر گذشتی و بہ شر پیوستی
زن گفت چناں کہ می نمائم ہستم
تو نیز چناں کہ می نمائی ہستی؟

(عمر خیام)

(ریاکار زاہدوں کی اس رباعی میں جو دھجیاں اُڑائی ہیں،
گویا کہ اس مضمون کا خاتمہ کر دیا ہے)

کاملے گفتہ است می باید بسے
عقل و حکمت تا شود گویا کسے
باز باید عقل بے حد و قیاس
تا شود خاموش یک حکمت شناس

(عطار)

اگرچہ در عشق از عشقت خبر نیست
ترا ایں عشق عشقِ سود مند است

(عطار)

حضرت ابراہیم نے ایک گبر کو اپنے دستر خوان پر سے اٹھا دیا

ہاتف غیب نے کہا :-

غش وا دصد سال روزی وجاں　　ترا نفرت آمد از و یک زماں

(سعدیؒ)

دریں دریا کہ من ہستم نہ من ہستم نہ دریا ہم
نداند ہیچ کس ایں سر مگر آں کو چنیں باشد
لب دریا ہمہ کفرست و دریا جملہ دینداری
ولیکن گوہر دریا ورائے کفر و دیں باشد

(عطارؒ)

عام ایشیائی خیال ہے کہ بچوں کو اچھی خوراک اور اچھا لباس نہ دینا چاہیے تاکہ آرام طلب و عیش پسند نہ ہو جائیں۔

پسر را نکو دار و راحت رساں　　کہ چشمش نماند بہ دست کساں

(سعدیؒ)

پہلے یورپ و ایشیا دونوں جگہ لڑکوں کو ہر وقت نصیحت کرنا اور جسمانی سزا دینا، تربیت سمجھا جاتا تھا۔ مگر شیخ کہتے ہیں:-

نو آموز را ذکر و تحسین و زہ　　ز توبیخ و تہدید استاد بہ

ایک درویش حج کے سفر میں ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھتا
جاتا تھا اس کے دل میں غرور پیدا ہوا۔ ہاتف غیب نے ندا دی۔
بہ احسانے آسودہ کردن دلے   بہ از الف رکعت بہ ہر منزلے
یعنی ایک دل خوش کرنا ہزار رکعت سے بہتر ہے۔

(سعدی)

ساقی بہ نورِ بادہ بر افروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما
ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذتِ شُربِ دوامِ ما

(خواجہ حافظ)

قرآن خوانی پر خواجہ حافظ کو ناز تھا۔
ندیدم خوشتر از شعرِ تو حافظ   بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری
صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ
انچہ کردم ہمہ از دولتِ قرآن کردم

بر سرِ تربتِ ما چوں گذری ہمت خواہ
که زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود
حافظ

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو کر رہی -

ساقیا بر خیز و دردہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را
گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را
حافظ

رسیدہ مژدہ که ایامِ غم نخواہد ماند
چناں نماند، چنیں نیز ہم نخواہد ماند

حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضعِ تست
فی الجملہ میکنی و فرو می گذارمت

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر که یارانِ شہر بے گنہ اند
(کیا پُر لطف اور باریک چوٹ ہے)

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی ‌‌‌ بہ یاد آر حریفانِ بادپیما را

نقش مستوری و مستی نہ بدستِ من و تست
انچہ استاذِ ازل گفت بکن آن کردم

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاذِ ازل گفت ہماں می گویم

اِن کا میلان جبر کی طرف ہے یعنی انسان خود مختار نہیں کوئی اور قوت ہے جو اس سے کام لے رہی ہے۔ یہ فلسفہ کی آخری منزل گو ظاہراً عقل کے خلاف ہے لیکن اربابِ فنا اسی میں چُور ہیں

خواجہ حافظ کی اخلاقی تعلیم فلسفہ انسانیت کی تصویر ہے۔

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
گیر و دار و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

بندۂ پیرِ خراباتم کہ لطفش دایم است
ورنہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ است و گاہ نیست

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس
(حافظ)

حصولِ مقصد کیلئے کوشش درکار ہے!

در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بجاں
شرطِ اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی

ترغیب عمل یوں کرتے ہیں :۔

ایدل بجوئے عشق گدائے نمی کنی | اسباب جمع داری و کارے نمی کنی
چوگاں بدست داری و گوئے نمی زنی | بازے چنیں بدست و شکارے نمی کنی

محتسب در قفائے رندان است غافل از صوفیانِ شاہد باز
(سعدی)

گر کنند میل بخوباں دلِ من عیب مکن
کیں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت میرسند آن کارِ دیگر می کنند
مشکلے دارم ز دانشمندِ محفل باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند
گوئیا باور نمی دارند روزِ داورے
کیں ہمہ قلب و دغا در کارِ داور می کنند (حافظ)
خدا
کھوٹ
آہ آہ از دستِ صرافانِ گوہر ناشناس
ہر زماں خرمہرہ را با دُر برابر می کنند
بر درِ میخانۂ عشق اے مَلک تسبیح گوے
کاندر آنجا طینتِ آدم مخمر می کنند

سبحان اللہ۔ کس دلبری و بے باکی سے اور کس عمدگی سے علمائے صوفیان و واعظانِ ریاکار کی خبر لی ہے۔

بادہ نوشے کہ درو ہیچ ریائے نبود
بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

من از پیرِ مغاں دیدم کرامت ہائے مردانہ
کہ ایں دلقِ ریائی را بہ جامے در نمی گیرد

ترسم کہ صرفہ نہ برد روزِ باز خواست (قیامت)
نانِ حلالِ شیخ ز آبِ حرامِ (شراب) ما

بادہ با محتسبِ شہر نہ نوشی زنہار
کہ خورد باتو مے و سنگ بجام اندازد

مے خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب
بہتر بہ طاعتے کہ بہ روی و ریا کنند

زاہد شہر چو مہر ملک و شحنہ گزید
من ہم ار مہر نگارے بگزینم چہ شود
(حافظ)

امر حق کو چھپانا نہیں چاہیے۔ شراب میں فائدے و نقصان دونوں ہیں۔ مگر نقصان زیادہ ہے اور باوجود اس کے کہ حرام کردی گئی ہے لیکن قرآن میں خدا نے اس کے فائدے نقصان دونوں بتلا دیئے ہیں اور کہدیا ہے کہ نقصان زیادہ ہے "فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا"۔ جب خدا نے شراب جیسی حرام چیز کے فائدے کو چھپانا نہیں چاہا البتہ بتلا دیا کہ فائدے سے نقصان زیادہ ہیں اس لیئے پرہیز کرنا چاہیئے، تو امر حق عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ ہمارے علما و لیڈران کا یہی طریقہ ہو گیا ہے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں:۔

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفیٔ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

واعظین کی نیکیاں بھی چونکہ ذاتی اغراض پر محمول ہوتی ہیں اس لئے درگاہِ الٰہی میں مقبول ہونے کے قابل نہیں۔

ایں خرقہ کہ من دارم در رہنِ شراب اولیٰ
ایں دفترِ بے معنے غرقِ مئے ناب اولیٰ

شوخی اور لطافتِ بیان دیکھو:-

واعظِ شہر کہ مردُم مَلَکش مے خوانند
قولِ ما نیز ہمین ست کہ او آدم نیست

یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہیں، اس قدر تو ہم کو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہیں۔ (باقی فرشتہ ہو یا شیطان اس کا فیصلہ ہوتا رہیگا)

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بہ جوے نہ فروشم

میرے باپ آدم نے بہشت کو گیہوں کے بدلے بیچ ڈالا تھا۔ میں اگر ایک جو کے بدلے نہ بیچوں تو ناخلف ہوں گا۔ (جو سے شراب بنتی ہے)

دو قرصِ نان اگر از گندم ست یا از جو
دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
چہار گوشۂ دیوارِ خود بہ خاطرِ جمع
کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار نکو تر بہ نزدِ ابنِ یمیں
ز فرِ مملکتِ کیقباد و کے خسرو

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی
حُدیٰ را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

(عرفی)

چہ عظمت دادہ یارب بخلقِ آں عظیم الشاں
کہ "انی عبدہٗ" گوید بجائے قولِ سبحانی

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتاب روحِ روانِ جہاں ہے تو
شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو
باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا
قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
دل ہے، خرد ہے، روحِ رواں ہے شعور ہے
اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ خرد کو اپنی تجلی سے نور دے

ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تو
یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو

تیرا کمال ہستیٔ ہر جاندار میں
تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں

ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو

نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

اقبال

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

حضورِ دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

اقبال

کبھی اے حقیقتِ منتظر، نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے محرمِ گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا، ہو سکوتِ پردۂ ساز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

دمِ طوف کرمکِ شمع نے، یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن،
نہ تری حکایتِ سوز میں، نہ مری حدیثِ گداز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو، ترے عفوِ بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

جو میں سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

(اقبال)

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے — اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
الکشن، ممبری، کونسل، صدارت — بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے تھے
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

(اقبال)

ناداں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے
مغرب میں ہے جہاز بیاباں شتر کا نام
ترکوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ؟ — دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجئے
تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کے عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

(اقبال)

پیرِ مغاں، فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں، مجھکو تو خانہ ساز دے
تجھکو خبر نہیں ہے کیا، بزمِ کہن بدل گئی،
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مئے مجاز دے

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے

انسان کو راز جو بنایا　　راز اس کی نگاہ سے چھپایا
بیتاب ہے ذوقِ آگہی کا　　کھلتا نہیں بھید زندگی کا

حیرت آغاز و انتہا ہے
آئینہ کے گھر میں اور کیا ہے

ہے گرمِ خرام موجِ دریا　　دریا سوئے بحر جادہ پیما
بادل کو ہوا اڑا رہی ہے　　شانوں پہ اٹھائے لا رہی ہے
تارے مستِ شرابِ تقدیر　　زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خورشید وہ عابدِ سحر خیز
لانے والا پیام "برخیز"

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر
پیتا ہے مئے شفق کا ساغر

لذت گیرِ وجودِ ہر شے
سرمستِ مئے نمودِ ہر شے

کوئی نہیں غمگسارِ انساں
کیا تلخ ہے روزگارِ انساں

علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود
گل کی پتی میں نظر آتا ہے رازِ ہست و بود

اقبال

رام

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند
سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رامِ ہند

یہ ہندیوں کی فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بامِ ہند

اس دیس میں ہوئے ہیں وہ انساں ملک سرشت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اسکو امام ہند
اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہی یہی
روشن تراز سحر ہے زمانے میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا، شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا
(اقبال)

صدائے درد

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا، یاں تو اک قربِ فراق آمیز ہے

بدلے یکرنگی کے یہ ناآشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب

جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں
اس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں
اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں

دانۂ خرمن نما ہے شاعرِ معجز بیاں ٭ ٭
ہو نہ خرمن ہی تو اس دانے کی ہستی پھر کہاں

حسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو
شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے
پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے

(اقبال)

کوششِ ناتمام

فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و تاب صبح
چشمِ شفق ہے خوں فشاں اخترِ شام کے لئے

رہتی ہے قیسِ روز کو لیلیٔ شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطرب تابِ دوام کے لئے

کہتا تھا قطبِ آسماں، قافلۂ نجوم سے
ہمرہو! میں ترس گیا، لطفِ خرام کے لئے

سوتوں کو ندیوں کا شوق، بحر کا ندیوں کو عشق
موجۂ بحر کو تپش ماہِ تمام کے لئے

حسنِ ازل کہ پردۂ لالہ و گل میں ہے نہاں
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لئے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

(اقبالؔ)

جلوۂ حُسن

جلوۂ حسن، کہ ہے جس سے تمنا بے تاب
پالتا ہے جسے آغوشِ تخیل میں شباب
ابدی بنتا ہے یہ عالمِ فانی جس سے
ایک افسانۂ رنگیں ہے جوانی جس سے
جو سکھاتا ہے ہمیں سر بہ گریباں ہونا
منظرِ عالمِ حاضر سے گریزاں ہونا
دور ہو جاتی ہے ادراک کی خامی جس سے
عقل کرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے
آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں؟
خاتمِ دہر میں یارب وہ نگیں ہے کہ نہیں؟

(اقبال)

دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دوکاں نہیں ہے،
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

اقبال

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندانِ صدف سے ارجمند

مشکِ اذفر چیز کیا ہے، اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند

شہپرِ زاغ و زغن در بند و قید صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند

(اقبال)

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکر و علی ہشیار باش

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونیوالا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
"نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی"
ترے سینہ میں پوشیدہ ہے رازِ زندگی کہدے
مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہدے

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا
یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

سرگزشت آدم

سُنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے
بھُلایا قصۂ پیمانِ اوّلیں میں نے (قالوا بلیٰ)

لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنت میں
پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے

رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
دکھایا اوجِ خیالِ فلک نشیں میں نے

ملا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا
کیا قرار نہ زیرِ فلک کہیں میں نے

نکالا کعبہ سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
کبھی بتوں کو بنایا حرم نشیں میں نے
کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پہونچا
چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے
کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھکو لٹکایا
کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے
کبھی میں غارِ حرا میں چھپا رہا برسوں
دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
سنایا ہند میں آ کر سرودِ ربانی
پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے
دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
بسایا خطۂ جاپان و ملکِ چیں میں نے
بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم
خلافِ معنیٔ تعلیمِ اہلِ دیں میں نے
لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو

جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے
سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گذار دیں میں نے

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئینۂ عقلِ دُوربیں میں نے

کیا اسیر شعاعوں کو، برقِ مضطر کو،
بنادی غیرتِ جنت یہ سرزمیں میں نے

مگر خبر نہ ملی آہ! رازِ ہستی کی،
کیا خرد سے جہاں کو تہِ نگیں میں نے

ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست وا آخر
تو پایا خانۂ دل میں اُسے مکیں میں نے

(اقبال)

حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اِک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا؟
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دُنیا
ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اسکی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جسکی
کہیں قریب تھا۔ یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی، اخترِ سحر نے سنی
سحر نے تارے سے سُن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے
چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

(اقبالؔ)

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع پیار کیوں
یہ جانِ بیقرار ہے تجھ پر نثار کیوں؟
سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اُسے
آدابِ عشق تو نے سکھائے ہیں کیا اسے
کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا!
پھونکا ہوا ہے کیا تری برقِ نگاہ کا؟
آزارِ موت میں اسے آرامِ جاں ہے کیا؟
شعلے میں تیرے زندگیِ جاوداں ہے کیا؟
غم خانۂ جہاں میں جو تیری ضیا نہ ہو
اس تفتہ دل کا نخلِ تمنا ہرا نہ ہو
گرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
ننھے سے دل میں لذتِ سوز و گداز ہے
کچھ اس میں جوشِ عاشقِ حسنِ قدیم ہے
چھوٹا سا طور تو یہ ذرا سا کلیم ہے

پروانہ اور ذوقِ تماشائے روشنی!
کیڑا ذرا سا اور تمنائے روشنی!

(اقبال)

بچے کی دعا

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری — زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
دُور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے — ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب — علم کی شمع سے ہو مجھکو محبت یا رب
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا — دردمندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

میرے اللہ برائی سے بچانا مجھکو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھکو

(اقبال)

دعا

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرہ کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے پھر ذوق تقاضا دے

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلےٰ دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر
خودداریٔ ساحل دے آزادیٔ دریا دے

بے لوث محبت ہو بیباک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر دل صورت مینا دے

احساس عنایت کر آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے!

اقبال

ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
آزاد فکر سے ہوں، عزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہے میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھکو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا سبزہ کا ہو بچھونا

شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اُس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو
راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید اُن کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھکو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جسدم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مرا دعا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلہ کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید انھیں جگا دے (اقبال)

چہ شوق است ایں کہ گر گویم ز حالِ خود سخن با کس
درا ثنائے سخن چوں بنگرم حرفِ تو میگویم

شیوهٔ بے مہریٔ آں ماہ را باخود شرف
خوب می دانستم اکنوں خوب تر دانستہ ام

مقصود ما شنیدنِ نامِ تو بودہ است
گاہے ز ناصح از سخنے گوش کردہ ام

ربودہ آنچناں از خود خیالِ آں پری ما را
کہ خود حرفے اگر پرسد جواب او نمیگویم

ہم از غالب حریفِ بلائے حسن است
کہ یک عالم حریفے کود کے نیست

بہ دُرد و صاف ترا کار نیست دم درکش
کہ ہرچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است

اظہارِ محبت آیۂ محبوبی است
ہر کس گفت از تو ام شما از خود کرد

(جس نے تم سے کہا کہ میں تمہارا ہوں اس نے تم ہی کو اپنا کر لیا)

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے
(میر)

ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان ہے، سکندر خوش ہے کہ اس نے دنیا فتح کی۔ لیکن یہی واقعہ دوسرے لفظوں میں یوں ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں تباہ ہو گئیں، بڑے بڑے تاجدار خاک نشیں ہو گئے۔ عرب شاعر نے اسی بنا پر کہا۔ "فوائد قوم عند قوم مصائب" ایرانی شعرا نے اس نکتہ کو زیادہ لطافت سے ادا کیا ہے:—

زمانہ گلشنِ عیشِ کرا، بہ یغما داد
کہ گل بدامنِ ما دستہ دستہ می آید
(یعنی ہمارے دامن میں گلدستوں کا جو ڈھیر لگ رہا ہے تو کسی کا باغ عیش برباد ہوا ہے)

عیشِ ایں باغ باندازۂ یک تنگدل است
کاش گل غنچہ شود تا دلِ ما بکشاید

(اس باغ کا عیش ایک تنگ دل کے لئے کافی ہو سکتا ہے کاش پھول کلی بن جاتا تو ہمارا دل کھِلتا۔)

زاہد غرور داشت سلامت نہ بُرد راہ
رند از رہ نیاز بہ دار السلام رفت (حافظ)

ہلاکو کے ہاتھ بغداد پر جو تباہی آئی اس کا مرثیہ شیخ سعدی نے لکھا ہے جو دل ہلا دینے والا ہے، چند اشعار یہ ہیں:-

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین
اے محمد! گر قیامت سر بروں آری زخاک
سر برآر و قیامت درمیانِ خلق بیں
نازنینانِ حرم را موجِ خونِ بیدریغ
ز آستاں بگذشت و ما را خونِ دل از آستیں
دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکتِ بیت الحرام

قیصرانِ روم سر بر خاک و خاقان بر زمین
خونِ فرزندانِ عمِ مصطفےٰ اشدر ریخت
ہم بر آں جائے کہ سلطاناں نہادندے جبیں
باش تا فردا ببینی روزِ داد و رستخیز
کز لحد با روئے خوں آلودہ برخیزد دفین

سعدی

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
ما قبلہ راست کردیم بر طرفِ کج کلاہے

خسرو

(حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی طرف اشارہ ہے - جہانگیر نے
لکھا ہے کہ ملا علی مہر کن کی جان اس شعر کے پڑھنے پر جاتی رہی -)

بہ تقویٰ نامِ نیکو بردہ بودم نکو رویاں مرا بدنام کردند

(حسن)

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست ما زندہ ازانیم کہ آرام نگیریم

(غالب)

الٹی پڑ گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دیکھا، اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہیں جو کچھ آپ کریں ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا
میرؔ کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو تم اُن نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا
— میرؔ

جی میں تھا اُس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہئے میرؔ
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھکر

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ
نادان، پھر وہ دل سے بھلایا نہ جائیگا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ — دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا؟
(سوداؔ)

قطعہ

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہ کن،
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے (غالب)

لازم ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے (اقبال)

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

حالی

بیقراری تھی سب اُمیدِ ملاقات کے ساتھ
اب نہ وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

قمارِ محبت میں بازی سدا　　وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا
(میر حسن)

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو　(غالب)

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا　"

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں　"

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا (غالب)

آنکھیں نہیں چہرے پہ ترے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے (آتش)

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی (انیس)

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو
انیسؔ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
کہیں نہ ٹھیس لگے، دل کے آبگینوں کو "

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز
(غالب)

اک ٹیس جگر میں اٹھتی ہے، اک درد سا دل میں ہوتا ہے
ہم راتوں کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے (شاد)

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے "

مانگا کرینگے اب تو دعا ہجر یار کی ۔ آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ
(آتش)

ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا
خُم و سبو کی بھی ٹھہرے گی دورِ جام کے بعد (آسی)

محال بندگی عشق ہے خداوندی ۔ کہ ایک زن نے مہِ مصر سا غلام کیا

میر درد

تہمتیں چند اپنے اوپر دھر چلے ۔ کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
شمع کے مانند ہم اس بزم میں ۔ چشم تر آئے تھے، دامن تر چلے
ساقیا! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ ۔ جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی   ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
(درد)

اس طرح طے ہم نے کی ہیں منزلیں
گر گئے، گر کر اٹھے، اٹھ کر چلے   (حیدر علی نظم طباطبائی)

جلوں کی بُری آہ ہوتی ہے پیارے   تم اس سوز کی اپنے حق میں دعا لو
(سوز)

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے   (ذوق)

کوئی مشکل نہیں رہتی ہے مشکل   محبت ہے اگر مشکل کشا کی
(سوز)

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا   (غالب)

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں   (غالب)

ہے آدمی بجائے خود اِک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے انفعال،
حاصل نہ کیجیے دہر سے، عبرت ہی کیوں نہ ہو

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

زندگی اپنی جب اس طرح سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

تو، اور آرائشِ خمِ کاکل　　میں، اور اندیشہ ہائے دور و دراز

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو، میخانہ خالی ہے

ہمارے بعد بہت روئے ہم کو اہلِ وفا　　کہ اپنے مٹنے سے چہرۂ وفا کا نام مٹا
شیفتہ

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے عزیز ہو آئے کرے شکار مجھے

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار   رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے
(غالب)

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے   (مومن)

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی   وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجئے دہن بگڑا   (آتش)

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں!   (غالب)

فلک سے ہم کو عیش کا کیا کیا تقاضہ ہے
متاعِ بُردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن کو   "

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی   کچھ ہماری خبر نہیں آتی
(غالب)

گالی سہی کون خوش ہو، مگر حسن اتفاق ۔ جو اسکی خو تھی، وہ ہی مرا مدعا ہوا

اذاں دی کعبہ میں، ناقوس دیر میں پھونکا ۔ (خضر سلطان)
کہاں کہاں ترا شیدا تجھے پکار آیا ۔ (آسی)

جب سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو ۔ کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو
(غالب)

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں ۔ (سودا)

جانے دے اے تصور جاناں، نہ کر تلاش ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کہیں دشمن کے گھر ملے
(سالک)

بس ہجوم ناامیدی، خاک میں مل جائیگی
یہ جو اک لذت ہماری سعی لاحاصل میں ہے ۔ (غالب)

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی ۔ ""

کعبہ ہو کہ بتخانہ، ہے جلوۂ جانانہ ۔ کعبہ تو ہوا کعبہ، بت خانہ کو کیا کہیے
(اثر)

رہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں (داغ)

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے ۔ یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا
(میر)

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر (غالب)

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ۔ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
(ذوق)

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی ۔ بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے ۔ کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
(آتش)

رباعی

دھونے کی ہے اے رِفارمر جا باقی ۔ کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبہ باقی
دھو شوق سے کپڑے کو پر اتنا نہ رگڑ ۔ دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی
(حالی)

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے　　فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے
(انیس)

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید ؟

مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو! (غالب)

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور　　نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی
(مولینا محمد علی)

جس لب کے غیر بوسے لیں، اُس لب سے شیفتہ

کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے! (شیفتہ)

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی

میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے! "

خوشی میں مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے

تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

بھی خواہانِ مے کی میکدہ میں دھوم ہے ساقی

دعاؤں پر مری چاروں طرف آمین ہوتی ہے (شاد)

آپ نے مَسَّنِیَ الضُّر کہا ہے تو صحیح یہ بھی اے حضرتِ ایوب گلہ ہے کہ نہیں؟

(غالب)

مٹتا ہو فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

(غالب)

قطعہ

عوض نہ لے مرے جرم و گناہِ بیحد کا
الٰہی تجھکو غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں کہیں نہ عدو دیکھ کر مجھے محتاج
یہ اس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں

(وزیر لکھنوی)

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

(لااعلم)

مرے گناہ زیادہ ہیں یا تری رحمت
کریم تو ہی بتا دے حساب کرکے مجھے

لااعلم

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالبؔ — ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا — نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

دماغِ عطر پیراہن نہیں ہے — غمِ آوارگی ہائے صبا کیا

(غالبؔ)

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا!

"

کعبہ اگرچہ ٹوٹا یہ کیا جائے غم ہے شیخ! — یہ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا!

(سوداؔ)

رخِ روشن کے آگے شمع رکھکر وہ یہ کہتے ہیں

اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

(داغؔ)

مے خانہ کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغؔ

ورنہ ہر ایک پوچھتا، حضرت اِدھر کہاں؟

حالیؔ:۔

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب — بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

رہروِ تشنہ لب نہ گھبرانا　　اب لیا چشمۂ بقا تو نے!

کون سا دل ہے جس میں خانہ خراب!　　خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا!
(درد)

مرگ اِک ماندگی کا وقفہ ہے　　یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر
(میر)

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ؟　　دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں
(شیفتہ)

سرو و قمری میں ہے جھگڑا کہ وطن کس کا ہے
کل بتا دیگی خزاں آ کے چمن کس کا ہے
فیصلہ گردشِ دوراں نے یہ سو بار کیا
مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے　　حالی

کہاں میں اور کہاں یہ نگہتِ گل　　نسیم صبح! تیری مہربانی!
لا اعلم

قدم برون منہ از حدِ خویش فلاطون شو
کہ گرمیانہ گزینی شراب و تشنہ لبی ست　　عرفی

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

میر

مقصد ہے ناز و غمزہ، ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

گو ہاتھ میں جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

غ

ہے ریاض اک جوانِ مست خرام نہ پیے اور جھومتا جائے

ریاض

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

درد

رہا ہوں رند بھی میں اور پارسا بھی میں مری نظر میں ہیں رندان و پارسا اک ایک

(لا اعلم)

مدت رہے یہ کرنہ کسی کو کہ اپنی تو اعتقاد دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

(میر)

آتسی اسی حسرت میں مر گئے اور جیئے ہم — بے پردہ نظارہ ہو کہیں دیدۂ تر کو

اُن کے آتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے میہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

جو پوچھے کوئی "ہل آتیٰ فی علی" ؟
تو کہدو کہ ہاں "ہل آتیٰ فی علی" (حالی)

"ہل اتیٰ" قرآن کی ایک آیت بھی ہے "وَیُطعِمُونَ الطعامَ علیٰ حُبّہٖ مِسکیناً وَّیَتِیماً وَّاَسِیرا" حضرت علی کا مشہور قصہ کہ آپ نے تین روٹیاں یتیم، مسکین اور قیدی کو دیدیں اور خود بھوکے رہے، گمان ہے کہ یہ آیت آپ کی ہی شان میں آئی۔

مرے ہی سامنے دامن اُٹھا کر ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلہ اُٹھا مرے چاکِ گریباں کا (میر)

رباعی

ہندو نے صنم میں جلوہ دیکھا تیرا　　آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے　　انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

(حالی)

قطعہ

قدیم وضع پہ قائم اگر رہوں اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا
جدید وضع اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور و واویلا
اِدھر یہ ضد ہے کہ لیمنڈ بھی چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ شور کہ ساقی صراحیٔ مے لا
اُدھر ہے دفترِ تدبیر مصلحت ناپاک
اِدھر ہے وحی و کرامت کی ڈاک کا تھیلا
غرض دوگونہ عذاب است جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ　　(اکبر)

نہ پوچھ مجھ سے وہ عالم کہ صبح نیند سے اٹھ   جب انکھڑیوں کو وہ ملتا ہوا خمار میں آئے

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا   (جرات)

معلوم ہوا بس تری پہچان یہی ہے۔   (اکبر)

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا   آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

(غالب)

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس

یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں الٹا سیدھا   (آتش)

ہوگا کوئی ایسا بھی جو غالب کو نہ جانے   شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

انیس حیدر آباد بلائے گئے، وزیر اعظم چندو لال کو ان کا مرثیہ سننے کا ازحد اشتیاق تھا۔ وہاں کے دستور کے مطابق وزیر کے دربار میں خداوند کہنا پڑتا تھا۔ انیس نے یہ شعر بھیج دیا اور چلے آئے :۔

دانا کہوں انکو یا خردمند کہوں   یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں،
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے انیس   کس منہ سے میں بندے کو خداوند کہوں

بوئے گل، نالۂ دل، دُودِ چراغِ محفل　　جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
(غالب)

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کر اٹھے　　(مومن)

ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کیلئے

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا　　پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
(غالب)

پوتھی پڑھ پڑھ جگ موا پنڈت ہوا نہ کوئے
ڈھائی اچھر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے　　(کبیر)

کانکر پاتھر جوڑ کے مسجد لئی چنائے
تا چڑھ ملا بانگ دے، یا بہرا ہوا کہدائے؟

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے　　چمن اُڑ گیا آندھیاں آتے آتے
(داغ)

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا　　کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے
سراج الدین خاں آرزو

ہمرا کھے سر جات ہے، سر کاٹے ہمر ہوئے　　(کبیر)
جیسے باتی دیپ کی، کٹے اوجیارا ہوئے

دکھ میں سمرن سب کریں، سکھ میں کرے نہ کوئے
جو سکھ میں سمرن کرے تو دکھ کاہے کو ہوئے　　"

اچھے دن پاچھے گئے، گرو سے کیا نہ ہیت
اب پچھتاوا کیا کرے، چڑیا چگ گئی کھیت　　"

کال کرے سو آج کر، آج کرے سو اب
پل میں پرلے ہوئیگی، بہوری کریگا کب؟　　"

ایک محروم چلے میر ہمیں دنیا سے　　ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ
میر

ماٹی کہے کمہار کو تو کیا روندے موہیں   اک دن ایسا ہوئے گا میں روندونگی توہیں

جاتی نہ پوچھ سادھو کی، پوچھ لیجیے گیان
مول کرو تلوار کا، پڑا رہن دو میان

آئیں ہیں سو جائیں گے، راجا۔ رنک۔ فقیر
ایک سنگھاسن چڑھ چلے، ایک بندھے زنجیر

مرے تو مر ہی جائے، چھٹی پرے جنجار
ایسا مرنا کو مرے، دن میں سو سو بار

پریتم کو پاتیاں لکھوں، جو کہیں ہوئے پردیس
تن میں، من میں، نیناں میں، تا کو کہاں سندیس

پیا چاہے پریم رس، راکھا چاہے مان   ایک میان میں دو کھڑگ دیکھا سنا نہ کان

نیناںؔ کی کاری کوٹھری پتلی پلنگ بچھائے   پلکوں چک ڈاری کے پیتم کو لیا رجھائے
کبیرؔ

پانی ملے نہ آپ کو، اورن بکست چھیر!
آپن من بس چل نہیں اور بندھاوت دھیر! ''

کبیرؔ ہنسنا دور کر، رونے سے کر چیت
بن روئے کیوں پائیے پریم پیار امیت ''

سکھیا سب سنسار ہے کھائے اور سوئے
دکھیا داس کبیر ہے، جاگے اور روئے ''

جب میں تھا تب گرو ناہیں، اب گرو ہیں ہم ناہیں
پریم گلی اتی سانکری۔ تا میں دو نہ سماہیں ''

سپنے میں سائیں ملے۔ سوت لیا جگائے   آنکھی نہ کھولوں ڈرپتا سپنا ہوئے جائے
''

رگھو کل ریت سدا چلی آئی   پران جائیں پر نہ بچن نہ جائیں

(تلسی داس)

جب تو آیا جگت میں لوگ ہنسیں تو روئے

اب ایسی کرنی کر چلو جو واں ہنسی نہ ہوئے   کبیر

میں اور مئے ناب مرا منہ یہ کہاں ہے   تلچھٹ بھی اگر دے کرم پیر مغاں ہے

(آسی)

گرہ کیسی لگی تھی، کھل گئے کس راہ میں فتنے

نظر آتا ہے خالی آج گوشہ تیرے داماں کا   (داغ)

آسی گو بھی بنا ہی کے چھوڑا شرابخوار   جو پارسا ہو صحبتِ میخوار کیوں کرے

بدنام ہو گے جانے بھی دو امتحان کو

رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو   (میر)

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی

کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے   (آزردہ)

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم   میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

غالب

اے برق تو ذرا کبھی تڑپ لی، ٹھہر گئی ذرا

یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں

امیر مینائی

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے   مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

غالب

اس نے بھولے سے کیا نظر ڈالی   عمر ساری خراب کر ڈالی

لا اعلم

رنگی کو نارنگی کہیں اصل مال کو کھویا   چلتی کو گاڑی کہیں، دیکھ کبیرا رویا

تاک دیکھ لیا۔ دل شاد کیا۔ خوش کام ہوئے اور چل نکلے

(جرات)

فدائے شیوۂ رحمت کہ در لباس بہار   بعذر خواہیٔ رندانِ بادہ نوش آمد

(لا اعلم)

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن

اے ذوق اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے

(ذوق)

زغارتِ چمنت بر بہار منت ہاست

کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

(طالب آملی)

پھر اس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے گناہگار یہ کہدے گناہگار ہوں میں

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

(سودا)

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے ان کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

(ذوق)

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

(مصحفی)

ظفر احوالِ عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر یاں تھے

من از آں رنج گراں مایہ چہ لذت یابم

کہ باندازۂ آں صبر و ثباتم دارند!

رنج و غم کی جو بڑی پونجی میرے حصہ میں آئی ہے اس سے

مجھے کیا لذت مل سکتی ہے جبکہ اتنے ہی اندازہ کا صبر بھی مجھے دیدیا گیا ہے

کسی سے طالبِ نان کس لیے شیخ ربانی ہو اُسے کافی ہے اپنی سبحۂ تہ دیر کا دانا
(آسی)

بندِ مسدس

رہے مصروف ہم تو سب کے سب باتیں بنانے میں
کہ یورپ دھم سے آ کودا خدائی کارخانے میں
یہ ہم سے بھی لگے گزرے ہوئے تھے اک زمانے میں
مگر دنیا کی دولت پھٹ پڑی ان کے خزانے میں
خدا ہی نے کچھ ان کو رازداں اپنا بنایا ہے
کہ ان اقوام نے نیچر کا رستہ دیکھ پایا ہے

(نذیر احمد)

یوسفِ گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور کلبۂ احزاں شود روزی گلستاں غم مخور
(حافظ)

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

(میر)

نہ ہر درخت تحمل کند جفائے خزاں غلام ہمتِ سروم کہ ایں قدم دارد
(حافظ)

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے
امیر مینائی

(خورندہ) (ذلیل)

مکن جسم بو مرد بسیار خوار | کہ بسیار خوار ست بسیار خوار

(سعدی)

دل کو تھاما، اُن کا دامن تھام کے

میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

پڑے ہیں صورت نقش قدم نہ چھیڑو ہمیں | ہم اور خاک میں مل جائیں گے اٹھانے سے

(آسی)

سنبھل کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں

کہ اس دیار میں سودا شکستہ پا بھی ہے (سودا)

رات ہی رات تو اک مردِ خوش وقت کی رات | گریۂ شوق کی اور ذوقِ مناجات کی رات

(آسی)

یا تو اختر مرا شاہانہ بنایا ہوتا | یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

ورنہ ایسا جو بنایا نہ بنایا ہوتا

نشۂ عشق کا گر ذوق دیا تھا مجھکو | عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دلکو میرے خم و خمخانہ بنایا ہوتا

اس خرد نے مجھے سرگشتہ و حیران کیا | کیوں خردمند بنایا نہ بنایا ہوتا

تو نے اپنا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

روزنہ معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا

بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا

ایک بڈھا چورن مرچوں کی پڑیاں بیچتا پھرتا تھا اور آواز دیتا تھا "ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا!" بہادر شاہ ظفر نے اسے سنا اور اس پر مصرعے لگائے۔ گلی گلی میں مشہور ہو گئے اور بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔ صرف دو بند مل سکے جو ذیل میں درج ہیں:۔

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

کنجڑے کی سی ہاٹ ہے دنیا جنس ہے ساری اکھٹی
میٹھی چاہے میٹھی لے لے، کھٹی چاہے کھٹی

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

روپ رنگ پر بھول نہ دل میں دیکھ عقل کے بیری
اوپر میٹھی نیچے کھٹی۔ انبوا کی سی کیری

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا۔

ایک فقیر صدا کہتا تھا "کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا" بہادر شاہ ظفر نے سنا، بہت پسند آئی۔ انہوں نے اس پہ بارہ دوہرے لگائے، مدتوں تک دلی میں گھر گھر سے اسی کے گانے کی آواز آتی تھی اور گلی گلی میں لوگ گاتے پھرتے تھے :-

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

محتاج خراباتی، یا پاک نمازی ہے
کچھ کر نہ نظر اسپر واں نکتہ نوازی ہے

کچھ راہ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دنیا کے کیا کرتا ہے سینکڑوں تو دھندے
پر کام خدا کا بھی کر لے کوئی یاں بندے

کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہوگا

دنیا ہے سرا۔ اسمیں تو ہے بیٹھا مسافر
اور جانتا ہے یاں سے جانا تجھے آخر ہے

کچھ راہ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

جو رب نے دیا تجھکو تو نام پہ دے رب کے
گر یاں نہ دیا تونے واں لیویگا کیا بندے

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دیویگا اسی کو تو وہ جسکو ہے دلواتا
پر ہے یہ ظفر تجھکو آواز سناجاتا

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد جو حشر ہوا اس پر نظر کرتے ہوئے ان کے کلام میں اثر بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

زیر بارند درختاں کہ تعلق دارند　　اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد
(حافظ)

عاشق ہیں ہم کو نہ نظر کوئے یار ہے
کعبہ کے حاجیوں کو مبارک زیارتیں　　(آتش)

فریب حسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا
خدا کی یاد بھولا شیخ، بت سے برہمن بگڑا　　"

دین شیخ و برہمن نے کیا یار فراموش
یہ سبحہ فراموش، وہ زنار فراموش
دیکھا جو حرم کو تو نہیں دیر کی وسعت
اس گھر کی فضا کھو گیا معمار فراموش　　سودا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل گئی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا
ناجی

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں
سودا

دیکھا جو باغِ دہر تو مانندِ صبح و گل
کم فرصتی ملاپ کی باہم بہت ہے یاں
〃

نہ بولا ہے نہ بولے گا گدھی کو زمیں کی زلف بولا ہیں ندی کو
(میاں فضلی)

خاموش جو اتنا ہوں مجھے گنگ نہ سمجھو
اِک عرضِ تمنا ہے کہ آ لب پہ اڑی ہے
سودا

قطرہ وہی کہ روکش دریا کہیں جسے یعنی وہ میں ہی کیوں ہوں تجھسا کہیں جسے
(آسی)

جگنو میاں کی دُم جو چمکتی ہے رات کو
سب دیکھ دیکھ اس کو بجاتے ہیں تالیاں

راجہ شتاب رائے (پٹنہ) کے دربار کا ایک پر لطف قصہ بھی اس شعر

سے متعلق ہے۔

صحبتِ گل ہی فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی
آج کل سارے چمن کی ہے ہوا بگڑی ہوئی
آدمی کہتے ہیں جس کو ایک پتلا گل کا ہے
پھر کہاں گل اس کو جب گل ہو ذرا بگڑی ہوئی
دل شکستوں کا سخن ہونے نہ کیونکر نادرست
ساز بگڑے ہے تو نکلے ہے صدا بگڑی ہوئی (لااعلم)

ہنگامہ ۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی سوسائٹی کا جو حال تھا غالباً اسی پر کسی نے کہا تھا۔

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہو   اس غمکدہ میں آہ دلِ خوش کہیں نہیں
(امیر)

فقیرانہ آئے، صدا کر چلے   میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست   کہ سلطان جہاں با ماست امروز
(لااعلم)

ہوں تو سنی پر علی کا صدق دل سے ہوں غلام
خواہ ایرانی کہو تم، خواہ تورانی ... مجھے

مرزا مظہر جان جاناں

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید
(حافظ)

نہیں ہے دوست اپنا یار اپنا مہرباں اپنا
سناؤں کس کو غم اپنا الم اپنا بیاں اپنا
مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جاں اپنا

سبب جو میری شہادت کا یار سے پوچھا
کہا کہ اب تو اسے گاڑ دو، ہوا سو ہوا
یہ دردِ عشق ہے میرا نہیں علاج طبیب
ہزار کوئی دوائیں کرو، ہوا سو ہوا
بھلے بُرے کی ترے عشق میں اڑا دی شرم
ہمارے حق میں کوئی کچھ کہو، ہوا سو ہوا (تاباں)

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ہمکو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اسکو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے
(میر)

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے ؟ وہ تو بیچاری آپ ننگی ہے
(انشا)

جنوں پسند ہے مجھکو ہوا ببولوں کی عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی
جو خاص بندے ہیں وہ بندۂ عوام نہیں ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں
(ناسخ)

ہے یہ تمنا میرے جی میں، یوں تجھے دیکھوں بادہ کشی میں
ہاتھ میں ساغر، بر میں مینا، سر پہ طرّہ، ہار گلے میں
(شاہ نصیر)

ہے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا ہم الٹے۔ بات الٹی۔ یار الٹا
(مہتاب رائے کو الٹ کر دیکھو) (مومن)

کہیں تجھکو نہ پایا گرچہ ہم نے اک جہاں ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی میں دیکھا بغل ہی میں سے تو نکلا
خجل اپنے گناہوں سے ہوں میں یاں تک کہ جب رویا
تو جو آنسو مری آنکھوں سے نکلا شرخرہ نہ نکلا

(ذوق)

بیانِ دردِ محبت جو ہو تو کیونکر ہو
زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دل زباں کیلئے
حجر کے چومنے ہی پر ہے حج کعبہ اگر
تو بوسے ہم نے بھی اس سنگِ آستاں کیلئے
جو پاسِ مہر و محبت کہیں یہاں بکتا
تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کیلئے
بنایا آدمی کو ذوق ایک جزوِ ضعیف
اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کیلئے

رہے اک بانکپن بھی بے دماغی میں تو زیبا ہے
بڑھا دو چین ابرو پر ادائے کج کلاہی کو

(لا اعلم)

خراب کیوں نہ ہوا اس شہر دل کی آبادی
ہمیشہ لوٹنے والے ہی اس دیار میں آئے
بہ یک کرشمہ جو بے اختیار کر ڈالے
وہ عشوہ ساز کسی کے کب اختیار میں آئے

جرات

رشتہ فرمائے دلم نیست بجز عیش حباب
یافت یک پیرہن ہستی و آن ہم کفن است

ارادت خاں واضح

ہوئے ہیں اس اپنی سادگی سے، ہم آشنا جنگ و آشتی سے
اگر نہ ہو یہ تو پھر کسی سے نہ دوستی ہے نہ دشمنی ہے
کوئی ہے کافر کوئی مسلماں، جدا ہر اک کی ہو راہ ایماں
جو اس کے نزدیک رہبری ہے، وہ اس کے نزدیک رہزنی ہے
نہیں ہو قانع کو خواہشِ زر، وہ مفلسی میں بھی ہے تونگر
جہاں میں مانندِ کیمیاگر، ہمیشہ محتاج، دل غنی ہے
لگا نہ اس بت کدہ میں تو دل، یہ ہے طلسم شکست غافل
کہ کوئی کیسا ہی خوش شمائل، صنم ہو آخر شکستنی ہے

(ذوق)

اکدن وہ تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے + پھر یہ ہو ا گذرنے لگے کھیل کود کے
اب حال یہ ہو عالم پیری میں اے ظفر! + باقی نہیں جو اس بھی گفت و شنود کے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے (غالب)

مجھکو ہر ذرہ میں خورشید نظر آتا ہے
تم بھی ٹک آنکھ سے دیکھو تو صاحب نظراں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

سودا

پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ہے کہ نہیں
جرم ہے اس کی جفا کا کہ وفا کی تقصیر؟
کوئی تو بولو میاں! منہ میں زباں ہے کہ نہیں "

قطعہ

پوچھا سودا سے میں اک روز کہ اے آوارہ
تیرے رہنے کا معین بھی مکاں ہے کہ نہیں
یک بیک ہو کے بر آشفتہ لگا وہ کہنے
کچھ تجھے عقل سے بھی بہرہ میاں ہے کہ نہیں؟
دیکھا میں قیصر فریدوں کے در اوپر اک شخص
حلقہ زن ہو کے پکارا کوئی یاں ہے کہ نہیں؟

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار
دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار
جو بے ہمت تھے، ہو گئے وہ مجبور
جو باہمت تھے ہو گئے وہ مختار!

(حالی)

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں،
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا
احباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

(غالب)

ہو کوئی بادشاہ یہاں یا وزیر ہو
اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو
حد سے زیادہ ظلم و ستم خوشنما نہیں
ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو

(میر)

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھکو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ
دینا وہ اس کا ساغرِ مے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر اُدھر کو، اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ
نظام

ملنے لگے ہو دیر دیر، دیکھیے کیا ہو کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی، بندے میں کچھ رہا نہیں
(میر)

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں — گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی — پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

(غالب)

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ — ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے
ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں — پابستگیٔ رسم و رہِ عام بہت ہے

(غالب)

خوبوں میں دل دہی کی روش کم بہت ہے یاں
خواہانِ جان چاہو تو عالم بہت ہے یاں
آنکھوں میں دل اس آئینہ رو کو جگہ دلے
ٹپکا کرے ہے بسکہ یہ گھر نم بہت ہے یاں
غافل نہ رہ تو اہلِ تواضع کے حال سے
تیغ و کماں کی طرح خم و چم بہت ہے یاں

(سودا)

کِھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے — اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ — ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

ہر داغ معاصی مرا اس دامنِ تر سے
جوں حرفِ سرِ کاغذِ نم اٹھ نہیں سکتا
کیوں اتنا گرانبار ہے جو رختِ سفر ہے
اے راہروِ ملکِ عدم، اٹھ نہیں سکتا

(ذوق)

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
سر پر ہجوم دردِ غریبی سے ڈالئے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

(غالب)

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں اسکے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں
ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

(غالب)

نہ تھی عیب کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا
ظفر آدمی اسکو نہ جانیئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہے، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

ظفر

ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا عجب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے
کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم کردیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

ایک سولہ برس کے لڑکے نے ایک مشاعرہ میں غزل پڑھی جس کا
ایک شعر یہ تھا کہ :-

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سودا موجود تھے، انہوں نے کہا میاں صاحبزادے تم جوان ہوتے دکھائی
نہیں دیتے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لڑکا آگ سے جل کر مر گیا۔

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کہیے

غالب

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے — طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم — اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے
یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے — یا پردۂ تبسم پنہاں اٹھائیے

غالب

اکڑ کے روش پہ کیونکر نہ زلف ناز کرے
اسی کے ہاتھ ہے وہ جس کو سرفراز کرے
بہ یک اشارہ نہیں تھا نہ غیر محفل میں
ان ابروؤں کی خدا زندگی دراز کرے
کہیں تو جام دھرا ہے، کسی جگہ ساغر
کدھر جھکائے سر انساں؟ کدھر نماز کرے

شاد عظیم آبادی

ہے آج جو سرگذشت اپنی — کل اس کی کہانیاں بنیں گی!
(میر)

ایں قدر گز تو دلے چند شود شاد بس است
زندگانی بہ مراد ہمہ کس نتواں کرد (صائب)

(اگر زندگی میں تو چند دلوں کو خوش کرے تو یہ بس کرتا ہے کیونکہ ہر آدمی کی پسند کے مطابق زندگی بسر نہیں کی جا سکتی۔

ونحن اُناسٌ لاتوسُّطَ بینَنا
لنا الصدر دون العالمین او القبر

(ہم ان لوگوں میں ہیں جن کے لئے بیچ کی جگہ کوئی نہیں ہوتی۔ یا تو ہمارے لئے تمام دنیا سے اونچی جگہ ہونی چاہیئے یا پھر زمین کے نیچے قبر!

زدم از کتم عدم خیمہ بہ صحرائے وجود
از جمادی بہ نباتی سفرے کردم و رفت
بعد ازاں کشش نفس بہ حیواں می برد
چوں رسیدیم بہ وے از گزرے کردم و رفت
بعد ازاں در صدفِ سینۂ انساں بہ صفا

قطرۂ ہستیٔ خود را گہرے کردم و رفت
با ملائک پس ازاں صومعۂ قدسی را
گرد بر گشتم و نیکو نظرے کردم و رفت
بعد ازاں رہ سوئے او بردم و چوں ابن یمیں
ہمہ او گشتم و ترکِ دگرے کردم و رفت (ابن یمین)

(عدم کی پوشیدگی سے نکل کر میں نے ہستی کے صحرا میں خیمہ لگایا۔ میں نے جمادات سے نباتات کی طرف سفر کیا اور گزر گیا۔ پھر نفس کا کھچاؤ مجھے حیوان کی منزل کی طرف کھینچ لے گیا۔ وہاں پہونچا اور وہاں سے بھی گذر کر آگے نکل گیا۔ اب میں انسان کے دل کی سیپ میں پہونچ گیا اور میں نے اپنی ہستی کی بوند کو موتی بنایا اور پھر وہاں سے بھی گزر گیا۔ اس کے بعد میں فرشتوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں ان میں شریک ہوکر پاکی و عظمت کے گھر کا طواف کرتا رہا مگر پھر اس منزل سے بھی آگے گزر گیا۔ بالآخر میں اس کی طرف چلا اور ہمہ تن وہی ہو گیا اس کے سوا اور جو کچھ تھا اس کو میں نے ترک کر دیا۔ یہ حالت بھی پیش آئی اور گزر گئی)

ڈارون اور والیس سے چھ سو برس پہلے ابن یمین نے تصوف کے پیرایہ میں یہ حقیقت واضح کی تھی۔ ابن یمین آٹھویں صدی ہجری میں تھا۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا　　یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

پھر اس انداز سے بہار آئی　　کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ پاک　　اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی　　بن گیا روئے آب پر کائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر　　بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

(غالب)

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار　　یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
جبکہ تجھ بن نہیں کوئی معبود　　پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟　　غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں　　ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
"ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا"　　اور درویش کی صدا کیا ہے

(غالب)

درد منت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں — تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(غالب)

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے — تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں — مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
کبھی حقیقتِ جانکاہیِ مرض لکھیے — کبھی مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے
کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجیے — کبھی حکایتِ صبرِ گریزپا کہیے
سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب — خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے — نالہ پابندِ نے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے — پہ تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ "ہے" نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب — آخر تو کیا ہے اے "نہیں" ہے!

چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے — وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے
چاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہئے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — نا امیدی اس کی دیکھا چاہئے

غالب

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج — اُڑتی سی اک خبر ہے زبانیِ طیور کی
گو واں نہیں، پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں — کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی
گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر — کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہم ہوئے، اُتنے ہی کم ہوئے
پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے،
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہر اک بات پہ کہتے تم کہ تو کیا ہے — تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے
جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا — کُریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل — جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہیئے کہ آرزو کیا ہے

دینٌ وکفرٌ وقرآنٌ ینصُّ بھا — اسفارُ مِللٍ وتوراۃٌ وانجیلُ
فی کلِّ جیلٍ اباطیلٌ یُدانُ بھا — فھل تفرّد یوماً باھدیٰ جیلُ؟

(ابوالعلا معری)

(دین ہے اور کفر ہے۔ قرآن ہے جو اس بارے میں حکم دیتا ہے۔ قوموں کی مذہبی کتابیں ہیں، اور توراۃ ہے اور انجیل ہے۔

دنیا کے ہر دور میں ایک نہ ایک خرافات رہی ہے جس پر لوگ عمل کرتے رہتے ہیں۔ کیا کسی دور میں ایک دن بھی ایسا گزرا ہے جب لوگوں نے حقیقت پر عمل کیا ہو؟)

اس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ عربی خلافت کے زمانہ میں آزادیٔ خیال کہاں تک پہونچ چکی تھی اور کہاں تک برداشت کی جاتی تھی۔ ابوالعلا معری تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوا تھا۔

عَجِبتُ لِکسریٰ اشیاعہ ۔۔۔ وَغُسلُ الوجوہ ببول البقرِ
وقومٌ اتوا من اَقاصی البلادِ ۔۔۔ لِرَمی الحِجَار ولثم الحَجَرِ
فواعجباً من مقالاتھم ۔۔۔ اِیُعمی من الحق کُلَّ البشرِ

(۱) کیا حیرت ہوئی مجھے کسریٰ (خسرو) اور اس کی جماعت پر اور اس پر کہ گائے کا پیشاب منہ پر ملتے ہیں۔ (۲) اور پھر وہ لوگ جو دنیا کے دور دراز کونوں سے جمع ہوئے ہیں تاکہ کنکریاں پھینکیں اور ایک پتھر کو بوسہ دیں! (۳) حیرت پر حیرت اور افسوس پر افسوس! کیا پوری انسانی نسل حقیقت کی طرف سے اندھی ہو گئی ہے۔

ابوالعلا معری

تَدَاوَیتُ مِن لَیلیٰ بَلیلیٰ عَنِ الھَویٰ
کَمَا تَیدَاوِی شَارِب الخَمرِ من خَمرٍ

(میں نے لیلیٰ کے عشق کی مصیبتوں کا علاج بھی لیلیٰ کے عشق ہی سے کیا۔ جس طرح شراب پینے والا شراب کے خمار کا علاج شراب ہی سے کرتا ہے)

(قیس عامری)

کم لذتم وتیمتم افزوں زشمار است ۔۔۔ گوئی ثمر پیشیر از باغ وجود م

(میں لذت میں بہت کم لیکن قیمت میں بہت زیادہ ہوں۔ گویا میں ایسا
پھل ہوں جو وجود کے باغ میں فصل سے پہلے پیدا ہو گیا!)

(حکیم صدرائے شیرازی)

عشق سوں دل کو رکھ محزوں یہ دنیا سب مکر و فسوں
جو توں چاہے خالق کوں اس دنیا سوں ہو بیروں
کہاں کی بڑھیا کہاں کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

دنیائے دنی کو جو کوئی فانی سمجھے اور قصۂ عمر کو کہانی سمجھے
دریائے حقیقت کو وہی جائے تیر جو مثلِ حباب زندگانی سمجھے

(لااعلم)

بے کارم و باکارم چوں مد بحساب اندر گویانم و خاموشم چوں خط بہ کتاب اندر
در سینہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی

اے بروں از وہم و قیل و قال من خاک بر فرقِ من و تمثیل من!
لااعلم

حدیثِ عشق و سرمستی زمن بشنو، نہ از واعظ
کہ با جام و سبو ہر شب قرینِ ماہ و پروینم
(حافظ)

سمجھ، جائے عشرت کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے
غنیمت سمجھ صحبتِ چند روزہ — جو گذرا دوبارہ وہ پیدا نہیں ہے
(غالباً والد مرحوم)

قیل ان اللہ ذو ولد — قیل ان الرسول قد کہنا
مَا نجی اللہ والرسول معاً — من لِسَانِ الوریٰ فکیفَ اَنَا

کشتیِ جعفر زٹلی در بھنور افتادہ است — ڈگمگو ڈگمگو می کند از یک توجہ پار کن
(جعفر زٹلی)

زر واری زکات پیسہ دہی در رہِ مولا — از حضرتِ حق اجر بجُھولوہ نہ باشد
(جعفر زٹلی)

در زٹلی نامہ خود می گوید:-

رہی دہا کے اورنگ شاہ دلی — در اتسلیم دکہن بڑی کھلبلی
دریں پیر سالی و ضعفِ بدن — مچاہی دیا جو کڑی در دکہن

درحق شہر بیجاپور می فرماید :-

عجب روپ ایں شہر بیجاپُر است کہ ہر کُنجِ او مثلِ بھینا سراست
عجب قلعۂ دیدہ شد بے لگاؤ کہ انگشت را نیست بر وے ٹِکاؤ

(جعفر زٹلی)

یہ نقش بر آب ہے یہ جہاں ٹک اک آن میں ہم کہاں تم کہاں

(محمد فقیہ دردمند)

اکسیر پہ ہوس اتنا نہ ناز کرنا ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

(خواجہ درد)

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

(خواجہ درد)

شیخ کعبہ ہو کے پہونچا ہم کنشتِ دل میں ہو درد منزل ایک تھی پر راہ کا ہی پھیر تھا

میر داؤد

محمد مصطفے کی یاد سیتی مرا دل قلعۂ احمد نگر ہے
(قلعہ احمد نگر میں قید ہونے کے زمانے میں یہ شعر درج کیا گیا۔ محمد و احمد کی رعایت پر نظر کر)

خسرو! در عشق بازی کم ز ہندو زن مباش
کز برائے مردہ می سوزند جانِ خویش را

خسرو! ایسی پیت کر جیسے ہندو جوے
پوُت پرائے کارنے جل جل کوُئلا ہوے

رائے لچھمی نرائن تخلص "شفیق" و "صاحب" اپنی کتاب چمنستان شعرا ۱۳۰۰ھ
میں ہاشم دکھنی کے احوال صفحہ ۲۰۰ میں لکھتے ہیں کہ "ہاشم در اشعارِ خود بموجب
ضابطہ ہندی اظہارِ عشق از طرف زن می نماید.... طرفہ تر آنکہ در کلام مجید
قصۂ عاشقی زن پر مرد واقع شدہ یعنی قصہ یوسف علیہ السلام" خوب بات
پیدا کی +

مرزا مظہر جانِ جاناں کی بزرگی مسلم الثبوت ہے۔ ترکی میں انہیں کے نام
پر طریقۂ "مظہریہ" جاری ہے جس کے بہت سے لوگ حلقہ بگوش تھے۔ مثنوی رومی
کا یہ شعر پانچسو برس پہلے معلوم ہوتا ہے۔ گویا خاص انہیں کے لئے کہا گیا تھا۔
دونوں بزرگوں کی کرامت کا نتیجہ ہے۔ مرزا جان جاناں کے والد کا نام
مرزا جان تھا، اور خود مرزا جان جاناں کا تخلص مظہر تھا۔ ؎

جان، اول "مظہر" درگاہ شد
جان جاں خود مظہرِ اللہ شد

اصلی نام جانِ جاں تھا۔ لوگ جان جاناں پکارنے لگے تھے۔ آنحضرت ؐ

نے حضرت جعفر طیار کی شہادت کی خبر پا کر فرمایا تھا۔ عاش حمیداً
مات شہیداً " اس حدیث سے مرزا صاحب کی شہادت کی تاریخ
نکلتی ہے +

از مثنوی ولی در تعریف بندر سورت :-

بھری ہے پر سیرت و صورت سے سورت ہر اک صورت ہے واں انمول مورت
ختم ہے امرداں پر رو صفائی ولے ہے بیشتر حسن نسائی
سبھا اندر کی ہے ہر یک قدم میں چھپا اندر سبھا کولے عدم میں

مجھے اچرج ہی آوے ہے سجن کے پان کھانیکا نجانوں کیا سبب یا قوت اصلی کے رنگانے کا

دل ولی کا لے لیا دلّی نے چھین کوئی کہیو جا محمد شاہ سوں

قطعہ

شنیدم کہ مردان راہ خدا دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ
(سعدی)

بگو کہ کثرت اشیاء نقیض وحدت نیست — تو در حقیقت اشیاء نظر فگن ہمہ اوست

توحید وجودی

بوئے گل اور رنگ گل، اللہ ہی اللہ ہے نسیم
یاں بقدر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں

میر

عام حکم شراب کرتا ہوں — محتسب کو کباب کرتا ہوں
ٹک تو رہ اے بنائے ہستی تو — تجھ کو کیسا خراب کرتا ہوں

میر

اچھا ہے اگر چپکا رہوں، مجھپر عتاب آوے — اگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اسکو خواب آوے
پٹیا ہے دل سوزاں کو اپنے میر نے خط پر — الٰہی نامہ بر کو اس کے لیجانیکی تاب آوے

میر

ملوں کیونکہ ہمرنگ ہو تجھ سے ظالم — ترا رنگ شعلہ، مرا رنگ کاہی

میر

تجھ رہ سے محال ہے اٹھانا مجھکو — خبطی کہے کوئی یا سیانا مجھکو
سر میرا لگا ہے نقش پا سے تیرے — سجدے کو خدا کے بھی بچانا مجھکو

میر

مسجد میں تو شمع کو خموشاں دیکھا　　مے خانہ میں جوشِ بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے　　دیکھا تو محلۂ خموشاں دیکھا

امیرؔ

نہ آج کل تھیں پرم پیا کا ہمارے من میں کیا ہے ٹھارا
سکھی ازل سیں رہے ہیں لکھا تو ہمیں پیا کے پیا ہمارا

محمودؔ

لوگاں کہیں پتھر سی کچھ سخت نہیں ہے و لیکن　　جو کوئی پیا سیں بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے
محمودؔ تجھ میں دستا پورا ہنر وفا کا　　ہے کیا عجب بھاوے توں پیر کو اس مہر سے

محمودؔ

دہلی جو شہر تھا ایک چمن، جسے لوگ کہتے تھے انجمن
وہ نشان اس کا مٹا دیا فقط اب تو اجڑا دیار ہے
وہ رعایا ہند تباہ ہوئی. کہوں اُنپہ کیا کیا جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ تو قابل دار ہے
ارے اے ظفرؔ تجھے کس کا ڈر تو خدا کے اوپر رکھ نظر
تجھے ہے بہ بسیلہ رسول کا تو اوہ ہی حامی دو وادار ہے

شاہا زکرم بر من درویش نگر — بر حال من خستہ دل ریش نگر
ہر چند نیم لائقِ بخشائشِ تو — بر من منگر بر کرم خویش نگر

شاہ ابوالخیر ابوسعید

کیا ف ُدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا — ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا۔ ہوا کرم سے تیرے — جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

(ذوق)

باز آ، باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(سلطان ابوسعید ابوالخیر)

یَاحبیب اللہ خُذ بیَدِی — مالِعجزی سوَاکَ مُستندی
اِستغیثوا لعاجز مضطر — شمروا ذیلکم الی المددی

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را — دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا
کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز — باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را
آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است — با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

در کوئے نیکنامی ما را گذر ندادند گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

حافظ بہ خود نہ پوشید این خرقۂ می آلود

اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را

من از آں حسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم

کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی !

جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خا را

(حافظ)

محرمِ رازِ دلِ شیدائے من کس نمی بینم ز خاص و عام را

رازِ درون پردہ ز رندانِ مست پرس کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

حافظا مخور، رندی کن، خوش باش ولے دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

ساقیا برخیز و در دہ جام را خاک بر سر کن غم ایام را
از سر دنیا گذشتی غم مخور خوش بخور ہم خوش بدار ایام را
صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب عاقبت روزے بیابی کام را

بیا کہ قصر امل سخت سست بنیاد است بیار بادہ کہ بنیاد عمر بر باد است
غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است
نشان عہد و وفا نیست در تبسم گل بنال بلبل مسکیں کہ جائے فریاد است

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت ست چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست
جانا بحاجتی کہ ترا ہست با خدائے آخر دمے بپرس کہ ما را چہ حاجت ست
اے پادشاہ حسن خدا را بسوختیم بارے سؤال کن کہ گدا را چہ حاجت ست
ارباب حاجتیم و زبان سؤال نیست در حضرت کریم تمنا چہ حاجت ست
جام جہاں نماست ضمیر منیر دوست اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت ست
آں شد کہ بار منت ملاح بردمے گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت ست
محتاج جنگ نیست گرت قصد خون ماست چوں رخت از آن تست بیغما چہ حاجت ست

نوبت زهد فروشانِ گران جان بگذشت   وقت شادی و طرب کردنِ رندان برخاست

این نه عیبست کزین عیب خلل خواهد بود   ور بود عیب چه شد مردمِ بی عیب کجاست

زاهدِ ظاهر پرست از حالِ ما آگاه نیست   در حقِ ما هرچه گوید جای هیچ اکراه نیست

چیست این سقفِ بلند سادهٔ بسیار نقش   زین معما هیچ دانا در جهان آگاه نیست

صاحبِ دیوانِ ما گویی نمی داند حساب   کاندرین طغرا نشانِ حسبةً لله نیست

هرکه خواهد گو بیا و هرکه خواهد گو برو   گیر و دار و حاجب و دربان درین درگاه نیست

هرچه هست از قامتِ ناساز بی اندامِ ماست   ورنه تشریفِ تو بر بالای کس کوتاه نیست

بر درِ میخانه رفتن کارِ یکرنگان بود   خودفروشان را بکوی میفروشان راه نیست

بندهٔ پیرِ خراباتم که لطفش دائم ست   ورنه لطفِ شیخ و زاهد گاه هست و گاه نیست

حافظ ار بر صدر ننشیند ز عالی همتی ست
عاشقِ دُردی کش اندر بندِ مال و جاه نیست

گناه گرچه نبود اختیارِ ما حافظ   تو در طریقِ ادب کوش کاین گناهِ منست

هر وقتِ خوش که دست دهد مغتنم شمار — کس را وقوف نیست که انجامِ کار چیست

رازِ درونِ پرده ز رندانِ مست پرس — ای مدعی نزاعِ تو با پرده دار چیست

مستور و مست هر دو چو از یک قبیله اند — ما دل بعشوهٔ که دهیم اختیار چیست

سهو و خطای بنده چو گیرند اعتبار — معنیِ عفو و رحمتِ پروردگار چیست

زاهد شرابِ کوثر و حافظ پیاله خواست

تا در میانه خواستهٔ کردگار چیست

در بزمِ دل از روی تو صد شمع برافروخت — وین طرفه که بر روی تو صد گونه حجاب ست

فقیهِ مدرسه دی مست بود و فتوی داد — که می حرام ولی به ز مالِ اوقاف ست

به دُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش — که هرچه ساقیِ ما ریخت عینِ الطاف ست

لطیفه ایست نهانی که عشق ازو خیزد — که نامِ آن نه لبِ لعل و خطِ زنگاری ست

جمالِ شخص نه چشم ست و زلف و عارض و خال — هزار نکته درین کار و بارِ دلداری ست

حسن ز بصره، بلال از حبش، صهیب از روم — ز خاکِ مکه ابوجهل این چه بوالعجبی ست

عیبِ رنداں مکن اے زاہدِ پاکیزہ سرشت
کہ گناہِ دگرے بر تو نخواہند نوشت

ہمہ کس طالبِ یارند چہ ہشیار و چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت

ناامیدم مکن از سابقۂ روزِ ازل
تو چہ دانی کہ پسِ پردہ کہ خوب ست و کہ زشت

آہ ازیں نرگسِ جادو کہ چہ بازی انگیخت — وائے ازاں مست کہ با مردمِ ہشیار چہ کرد
ساقیا جامِ میم دہ کہ نگارندۂ غیب — نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
آں کہ پرنقش زد ایں دائرۂ مینائی را — کس ندانست کہ در گردشِ پرگار چہ کرد

ما از برونِ در شدہ مغرورِ صد فریب — تا خود درونِ پردہ چہ تقریر می کنند
قومے بجد و جہد گرفتند وصلِ دوست — قومے دگر حوالہ بہ تقدیر می کنند
فی الجملہ اعتماد مکن بر ثباتِ دہر — کیں کارخانہ ایست کہ تغییر می کنند

آتش آن نیست کہ بر شعلۂ او خندد شمع　　آتش آنست کہ بر خرمنِ پروانہ زند

این مطرب از کجاست کہ سازِ عراق ساخت　　وآہنگِ بازگشت ز راہِ حجاز کرد

حافظ مکن ملامتِ رنداں کہ در ازل　　ما را خدا ز زہد و ریا بے نیاز کرد

بباغ تازہ کن آئینِ دینِ زردشتی　　کنوں کہ لالہ برافروخت آتشِ نمرود

صبا وقتِ سحر بوئے ز زلفِ یار می آورد

دلِ شوریدۂ ما را ز نَو در کار می آورد

سراسر بخششِ جاناں طریقِ لطف و احساں بود

اگر تسبیح می فرمود اگر زنار می آورد

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

نہ ہر کہ طرفِ کلہ کج نہاد و تند نشست　　کلاہ داری و آئینِ سروری داند

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غلامِ ہمتِ آں رندِ عافیت سوزم　　کہ در گدا صفتی کیمیا گری داند

تو بندگی چو گدایان بشرطِ مزد مکن
کہ دوست خود روشِ بندہ پروری داند

شہپرِ زاغ و زغن زیبائے صید و قید نیست
کیں کرامت ہمرہِ شہباز و شاہیں کردہ اند

ترسم کہ روزِ حشر عناں بر عناں رود
تسبیحِ شیخ و خرقۂ رندِ شراب خوار

حافظ چو رفت روزہ و گل نیز می رود
ناچار بادہ نوش کہ از دست رفت کار

دورِ گردوں گر دو روزے بر مرادِ ما نگشت
دائما یکساں نماند کارِ دوراں غم مخور

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ از سرِ غیب
باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور

ہر کہ سرگرداں بعالم گشت و غمخوارے نیافت
آخر الامر او بہ غمخوارے رسد ہاں غم مخور

در بیاباں گر بشوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنش ہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

گرچہ منزل بس خطرناک ست و مقصد ناپدید
ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور

غرض کرشمهٔ حسن است ورنه حاجت نیست — جمالِ دولتِ محمود را به زلفِ ایاز

میانِ عاشق و معشوق هیچ حائل نیست — تو خود حجابِ خودی حافظ از میان برخیز

آنجا که لطف شاملِ خلقِ کریمِ تست — جرمِ گذشته عفو کن و ماجرا مپرس
خواهی که روشنت شود احوالِ سرِ عشق — از شمع پرس قصه ز بادِ صبا مپرس

ای دل غلامِ شاهِ جهان باش شاه باش — پیوسته در حمایتِ لطفِ اله باش
چون احمدم شفیع بود روزِ رستخیز — گو این تنِ بلاکش من پرگناه باش
آن را که دوستیٔ علی نیست کافرست — گو زاهدِ زمانه و گو شیخِ راه باش
امروز زنده ام بولائے تو یا علی — فردا به روحِ پاکِ امامان گواه باش
قبرِ امامِ هشتم سلطانِ دین رضا — از جان ببوس و بر درِ آن بارگاه باش
مردِ خدا که زاهد و تقوی طلب بود — خواهی سفید جامه و خواهی سیاه باش
حافظ طریقِ زندگی شاه پیشه کن !
وانگاه در طریق چو مردان راه باش

نگویمت کہ ہمہ سال مے پرستی کن | سہ ماہ مے خور و نہ ماہ پارسا می باش
چو پیر سالک عشقت بہ مے حوالہ کند | بنوش و منتظر رحمت خدا می باش
گرت ہواست کہ چوں جم بسر غیب رسی | بیا و ہمدم جام جہاں نما می باش
وفا مجوی بہ کس ، ور سخن نمی شنوی | بہرزہ طالب سیمرغ و کیمیا می باش

مرید طاعت بیگانگاں مشو حافظ
ولے معاشر رندانِ آشنا می باش

جمال کعبہ مگر عذر رہرواں خواہد | کہ جان زندہ دلاں سوخت در بیابانش

جہان و کار جہاں جملہ ہیچ در ہیچ ست | ہزار بار من این نکتہ کردہ ام تحقیق

درد از یارست و درماں نیز ہم | دل فدائے او شد و جاں نیز ہم
آنکہ می گویند آں بہتر ز حسن ، | یار ما آں دارد و آں نیز ہم
ہر دو عالم یک فروغ روئے اوست | گفتمت پیدا و پنہاں نیز ہم
داستاں در پردہ می گوئی ولے | گفتہ خواہد شد بدستاں نیز ہم

اعتبارِ نیست بہ کارِ جہاں ‌ ‌ بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم
چوں سر آمد دولتِ شب ہائے وصل ‌ ‌ بگذرد ایامِ ہجراں نیز ہم

محتسب داند کہ حافظ مے خورد
واصفِ ملکِ سلیماں نیز ہم

خسروا! امید جاہ و مال دارم ایں سبب
التماسِ آستاں بوسیٔ حضرت می کنم

گفتگو آئینِ درویشے نہ بود ‌ ‌ ورنہ با تو ماجراہا داشتیم

الا اے پیرِ فرزانہ مکن عیبم ز میخانہ ‌ ‌ کہ من در ترکِ پیمانہ دلِ پیماں شکن دارم
برندی شہرہ شد حافظ پس از چندیں ورع اما
چہ غم دارم کہ در عالم امین الدین حسن دارم

خدا دارم دلِ بریاں ز عشقِ مصطفےٰ دارم ‌ ‌ ندارد ہیچ کافر سازو سامانے کہ من دارم
(سر سید احمد خاں مرحوم)

چوں آبروئی لالہ و گل فیضِ حسنِ تست اے ابرِ لطف بر منِ خاکے ببار ہم

اے خسروِ خوباں نظرے سوئے گدا کن رحمے بمنِ سوختۂ بے سر و پا کن!
دارد دلِ درویش تمنائے نگاہے زاں چشمِ سیہ مست بیک غمزہ روا کن
شمع و گل و پروانہ و بلبل ہمہ جمع اند اے دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

صبح ست ساقیا قدحے پُر شراب کن دورِ فلک درنگ ندارد شتاب کن
زاں پیشتر کہ عالمِ فانی شود خراب ما را ز جامِ بادۂ گلگوں خراب کن
خورشیدِ مے ز مشرقِ ساغر طلوع کرد گر برگِ عیش مے طلبی ترکِ خواب کن
ما مردِ زہد و توبہ و طامات نیستم با ما بجامِ بادۂ صافی خطاب کن

ساقی بیار آبے از چشمۂ خرابات تا خرقہ ہا بشوئیم از عُجبِ خانقاہی
جائیکہ برقِ عصیاں بر آدمِ صفی زد ما را چگونہ زیبد دعوئ بے گناہی

چوں بنی عامر ہمے مجنوں شوند گر برون آید یکے لیلےٰ زِ حی

این خرقہ کہ من دارم در رہنِ شراب اولیٰ — وین دفترِ بے معنے غرقِ مے ناب اولیٰ
من حالِ دلِ زاہد با خلق نخواہم گفت — کاین قصہ اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں رو
رندی و ہوسناکی در عہدِ شباب اولیٰ

جمشید جز حکایتِ جام از جہاں نبرد — زنہار دل مبند بر اسباب دنیوی
دہقانِ سال خوردہ چہ خوش گفت اے پسر — کاے نورِ چشمِ من بجز از کشتہ ندروی

قبائے حسن فروشی ترا برازید و بس — کہ ہمچو گل ہمہ آئینِ رنگ و بو داری

شَفِیْعٌ مُطَاعٌ نَبِیٌّ کَرِیْمٌ — قَسِیْمٌ جَسِیْمٌ نَسِیْمٌ وَسِیْمٌ
(شیخ سعدی)

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ — صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ
شیخ سعدی

کرم بین و لطفِ خداوندگار
گنہ بندہ کردہ ست او شرمسار

اس کا اشارہ اس آیہ کریمہ سے ہے :-

یَا مَلَائِکَتِی قَدِ اسْتَحْیَیْتُ مِنْ عَبْدِی وَلَیْسَ لَہٗ غَیْرِی ٭

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

گلِ خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویزِ تو مستم

بگفتا من گلِ ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(سعدی)

بکوئے میفروشانش بجامے بر نمیگیرند
زہے سجادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد

شکوہِ تاجِ سلطانی کہ بیمِ جان درو درج است
کلاہِ دلکش است اما بدردِ سر نمی ارزد

بس آساں می نمود اول غمِ دریا بُوئے سود
غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد

چو حافظ در قناعت کوش و از دنیای دون بگذر
کہ یک جو منتِ دونان بصد من زر نمی ارزد

راہی بزن کہ آہے بر ساز آن توان زد
شعرے بخوان کہ با او رطلِ گران توان زد

در خانقہ نہ گنجد اسرار عشق و مستی
جامِ مے مغانہ ہم با مغان توان زد

شد رہزنِ سلامت زلفِ تو وین عجب نیست
گر راہزن تو باشی صد کاروان توان زد

درویش را نہ باشد منزل سرائے سلطان
مائیم و کہنہ دلقے کآتش دران توان زد

با عقل و فہم و دانش داد سخن توان داد
چون جمع شد معانی گوی بیان توان زد

عشق و شباب و رندی مجموعہ مراد ست
ساقی بیا کہ جامے کہ دراین زمان توان زد

چو پردہ دار بہ شمشیر می زند ہمہ را | کسے مقیم حریم حرم نہ خواہد ماند
غنیمتے شمر ای شمع وصل پروانہ | کہ این معاملہ تا صبحدم نہ خواہد ماند
سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود | کہ جام بادہ بیاور کہ جم نہ خواہد ماند
چہ جائے شکر و شکایت ز نقش نیک و بد ست | کہ کس ہمیشہ گرفتار غم نہ خواہد ماند

غلام نرگس مست تو تاجدار انند | خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند
ترا صبا و مرا آب دیدہ شد غماز | وگرنہ عاشق و معشوق رازدار انند
نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو | کہ مستحق کرامت گناہگار انند
نہ من بران گل عارض غزل سرایم و بس | کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

پیر و مرشد حضرت مولانا عبد العلیم آسی :-

بہت سے اشعار کسی نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

کیا کیا نہ اس نے پردے کئے مدعائے دل | لیکن پسند اسے دل بے مدعا ہوا
اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا | اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا
شان کرم ہے یہ بھی اگر وہ جدا ہوا | کیا محنت طلب میں نہ حاصل مزا ہوا

بیچ پہ تھی جو سر میں ہوائے رضائے دوست
آسی مریدِ سلسلۂ مرتضےٰ ہوا

کسی میں جو کوئی فنا ہو گیا | نہ پوچھ اس کو آسی وہ کیا ہو گیا
پلائی ہے ساقی نے کیسی شراب | کہ جو رند تھا پارسا ہو گیا
کسی کے نکالے نکلتے نہیں | عدو سے مرا مدعا ہو گیا
جب اس کوچہ میں جا کے رہتا تھا میں | جو چاہا کیا، جو کیا ہو گیا
اڑایا ہے کس گل سے رنگِ چمن | کہ ہر نخل گلگوں قبا ہو گیا

انا الحق بھلا قولِ منصور تھا ؟
بتاؤ تو بندہ خدا ہو گیا !

میں جو الزامِ محبت میں گرفتار ہوا | قیدیٔ سلسلۂ حیدرِ کرار ہوا
آپ بھیجا مجھے اور آپ بلایا اس نے | بارِ احساں سے کسی کے نہ گرانبار ہوا

پوچھتے ہو کہ سرِّ حدوث کیا | ماسوا کی بھلا حقیقت کیا

ہم نہیں جانتے قیامت کیا — آج اگر تم ملو قیامت کیا
واعظو! اس کو دیکھ لو پہلے — پھر کہو حور کیا ہے جنت کیا
نہ گرے اس نگاہ سے کوئی — اور افتاد کیا مصیبت کیا
نقدِ ہستی نثار یار کرے — یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا
عاشقی میں ہے محویت درکار — راحتِ وصل و رنجِ فرقت کیا
جن میں چرچا نہ کچھ تمہارا ہو — ایسے احباب ایسی صحبت کیا
باغِ رضواں بھی باغ ہے آخر — سیرِ گل کے لئے ریاضت کیا
ملنے والوں سے راہ پیدا کر — اس کے ملنے کی اور صورت کیا
بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو — میری سعی اور میری ہمت کیا
اس کے حقدار ہم شرابی تھے — اہلِ تقوے و ابرِ رحمت کیا
گوشہ گیری حدیثِ نفس کیساتھ — دل ہی مجمع میں ہے تو عزلت کیا
کوئی تیرے سوا کہیں ہو بھی؟ — بدگمانی کی مجھ سے علت کیا
یوں ملوں تم سے میں کہ میں بھی نہیں — دوسرا جب ہو تو خلوت کیا
اور ہمت بلند کر اے شیخ! — طمع و خوف کی عبادت کیا
آسی مست کا کلام سنو، — وعظ کیا، پند کیا، نصیحت کیا

بدرقہ راہِ طلب میں نہیں ہمت کے سوا ‏ راہبر کوئی نہیں جوشِ محبت کے سوا

نظرِ ناظر و منظور نہ جب ایک ہوئے ‏ کیا ملا روزِ قیامت میں ندامت کے سوا

تابعِ خواہشِ محبوب ہو خواہش جسکی ‏ رنج و غم پاس نہ آئے کبھی راحت کے سوا

حسنِ صورت کے لئے خوبیٔ سیرت ہے ضرور ‏ گل وہی جس میں کہ خوشبو بھی ہو رنگت کے سوا

پوچھتے ہو شہِ جیلاں کے فضائل آسی

ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

پرتوِ عارض ہے دریا نور کا ‏ زلف صحرا ہے سکندر پور کا

پل بھی ہے فخرِ جونپور آسی ‏ خوابگاہِ جناب "شیخو" ہے

اہلِ ہمت کا کبھی بیجا نہ دیکھا اضطراب ‏ عین ہستی ہے بڑے موجِ دریا اضطراب

ناصح اندھا ہے جو سمجھا ہے ہمارا اضطراب ‏ صورتِ امواج میں کرتا ہے دریا اضطراب

گریہ وقتِ دعا بے تابیٔ حسنِ قبول

جیسے پانی دیکھکر کرتا ہے پیاسا اضطراب ‏ سبحان اللہ

تابِ دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا — منہ قیامت میں دکھا سکنے کے قابل دینا
غیر ظاہر نہ مظاہر کی حقیقت سمجھوں — اتنی تمیز میانِ حق و باطل دینا

ہائے رے ہائے تری عقدہ کشائی کے مزے — تو ہی کھولے جسے وہ عقدۂ مشکل دینا
تہمتِ والہیٔ غیرِ ہوس کیش غلط! — آپ معشوق ہیں کیا جانیں بھلا دل دینا
نقدِ جان و دل ادھر دولتِ دیدار ادھر — ان کو لینا بہت آسان ہے مشکل دینا

دوں پتا دردِ دل میں فانی کا — بھیس سارا ہے یار جانی کا
دردِ دل لطفِ زندگانی کا — غم سبب عیش جاودانی کا
نقشِ پا کو کوئی اٹھا نہ سکا — دیکھنا زور ناتوانی کا
آبرو ہو جو دل میں رقت ہو — دیکھ، موتی ہے قطرہ پانی کا

غمزے ہیں جس میں حسن کے عشق ہے اس نگار کا
چوٹ ہے جس میں عشق کی حسن ہے میرے یار کا
لاکھ گلے لگائیں وہ، رنگ نہیں قرار کا

موجۂ بوئے گل ہوں میں ان کے گلے کے ہار کا

ظرفِ حرم میں تو ول تھا تیرے شراب خوار کا

حلقۂ کعبہ دور ہے، بادۂ خوش گوار کا

تجھ سے بھی کوئی ماہرو پردے میں چھپ گیا مگر

کچھ سبب آخرا بر ترِ گریۂ زار زار کا

سرمہ چشم نقش پا ہم ہوئے تیری راہ میں

کوئی پتا ہوا نہ ہو، صدمۂ انتظار میں

خوش گہروں کو پیکر گردشِ آسیائے چرخ

سرمہ بناتی رہتی ہے دیدۂ اعتبار کا

جوش بہار و سوزِ عشق اصل میں ایک ہی نہ ہوں

رنگ ہے لالہ زار میں سینۂ داغدار کا

ایک نظر میں جو کرے دونوں جہان کو خراب

دل ہے نظارہ جُو اسی آفتِ روزگار کا

محشرِ وعدہ آ ابھی، بات ہے اس میں بھید کی

خون تو اپنے سر نہ لے کشتۂ انتظار کا

جائے طواف حلقۂ دورِ شراب ناب ہو
شیخِ حرم مرید ہے، آسیؔ بادہ خوار کا

ایک قاعدہ کلیہ

حضرت جعفر صادق نے غالباً علم جفر کی رو سے ایک قاعدہ کلیہ بتلایا تھا جس میں کبھی فرق نہ ہوگا:۔ یَوْمَ صَوْمُکُمْ۔ یَوْمَ نَحْرِکُمْ۔ یَوْمَ سَنَتِکُمُ الجَدِیْدَۃ۔ تمہارا پہلا روزہ۔ تمہاری قربانی کا دن۔ تمہارے سال کا پہلا دن۔ بعد کو آپ نے ۲۷ رجب بھی بڑھایا تھا۔ یعنی:۔
۱ رمضان۔ ۱۰ ذی الحجہ۔ ۱ محرم اور ۲۷ رجب ہمیشہ ایک ہی دن واقعہ ہوں گے۔ اگر ۱ رمضان دوشنبہ کو پڑا ہے تو بقیہ تینوں بھی دوشنبہ کو ہوں گے ÷

عاشق کی جاں کنی پر تنہا نہ یار رویا
جس سنگدل نے دیکھا بے اختیار رویا

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت
بلبل نے نالے کھینچے میں زار زار رویا
(آسیؔ)

رتبہ پایا ہی محبت میں تو اب ڈلکو سنبھال
گر پڑیگا صفتِ برق جو بیتاب ہوا

خاکساری سبب آبروئے سالک ہے
جو ملا خاک میں آنسو دُرِ نایاب ہوا

قابلِ سجدہ ہُوا جھک کے ملا جو کوئی
قدِ خم گشتہ میں پیدا خمِ محراب ہوا

داغ اپنا دیکے آسی نے جو لی راہ عدم
بس رہ وہ تم کو چراغ رہگذر درکار تھا

جب دلِ عاشق کو یارائے شکیبائی نہ تھا
حشر کا وعدہ کبھی طورِ دلآرائی نہ تھا

لالہ و گل کا یہ دیوانہ تماشائی نہ تھا
باغ میں ہر پھول تیرے حسن کا آئینہ تھا

حسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو
سچ ہے تجھ سے دلربا کو لطفِ تنہائی نہ تھا

آگیا بارے خیالِ وعدۂ فردائے حشر
اے لحد کوئی انیسِ کنجِ تنہائی نہ تھا

اب وہی ہے بیکسی دلِ شیدا میں کسکی شکل ہے
مبتلا کرنا مرا شایانِ یکتائی نہ تھا

روکے آسی پوچھتا تھا کب قیامت آئیگی
کسطرح کہئے کہ وہ تیرا تمنائی نہ تھا

خون ناحق گردنوں پر لے لیا منصور کا
مدعی قول "انا الحق" کا رگ گردن میں تھا

بڑھ کے شہ رگ سے گلے ملنے کو وہ آمادہ تھا
ہائے اے فہم غلط اب تک میں دور افتادہ تھا

توڑنا مینائے مے کا دل شکن کیوں کر نہ ہو
محتسب کو کیا ہوا تھا میں تو مست بادہ تھا

دل کہاں تھا جذبۂ دل میں جو کرتا اعتماد
میں تو کیا دل سوختہ دل باختہ دل دادہ تھا

بیقراری نے کئے تھے جگر و دل یک جا
بہرہ ور دونوں ہوں کر جب عملۂ تیر یہ تھا

عشق کیا کیا نسبتیں کرتا ہے پیدا حسن سے
زلف اگر شبرنگ تھی نالہ مرا شبگیر تھا

ظاہر و مظہر اگر باہم نہیں تھے حسن و عشق
بلبلیں رنگیں نوا کیوں غنچہ کیوں دلگیر تھا

حق ہو یا ناحق کہا تم نے ہوا بدنام میں
اب تو ثابت ہو گیا منصور بے تقصیر تھا

ہم تو ڈرتے تھے کدھر حکم قضا نے بھیجا
بارے اے بت ترے کوچہ میں خدا نے بھیجا

تیرے کوچے میں جسے ہو ہوس حور و قصور
کس جہنم میں اسے حرص و ہوا نے بھیجا

آسی نامہ سیہ لائق دوزخ بھی نہ تھا
خلد میں الفت شاہ شہدا نے بھیجا

جان دو دن کی ہے مہمان ستاتے کیوں ہو
آپ روتے ہوئے آئے ہیں رلاتے کیوں ہو

تم نہیں کوئی تو سب میں نظر آتے کیوں ہو
سب تمہیں تم ہو تو پھر منہ کو چھپاتے کیوں ہو

دل ملا مجھکو ازل میں تو کسی نے نہ کہا
رنگ ہی یہ اسے چھاتی سے لگاتے کیوں ہو

تم پریزاد ہو نہ عادت تو پری زاد نہیں
آپ اُڑتے ہو اُڑو وہ بات اڑاتے کیوں ہو

جب نہیں غیر کو دیدار دکھانا منظور
صفتِ پردہ در، ہم کو اٹھاتے کیوں ہو

اس طرح درد سے لبریز جو تقریر نہ ہو
سخنِ آسی شیدا غزلِ میر نہ ہو

قید خانہ میں کوئی غیرتِ یوسف بھی رہے
دل اٹک جائے نہ ہو، پاؤں میں زنجیر نہ ہو

جس کو دیکھا اسے چھاتی سے لگائے دیکھا
دل جسے کہتی ہے خلقت تری تصویر نہ ہو

کارسازا! یہی آسی کی دعا ہے تجھ سے
کام میرا کوئی منت کش تدبیر نہ ہو

خوشبو وہی رنگت وہی مستی بھی اسی کی
کعبے میں بھی دورِ مئے میخانۂ دل تھا

اسرار تیرے معارِف انوار تھے جس میں — مسجد تھی نہ کعبہ وہ نہاں کعبۂ دل تھا

جو پتھر آکے سر میں لگا لالہ گوں ہوا — ہر داغ گل فروشِ بہارِ جنوں ہوا
فرہادِ میری راہ طلب کی صعوبتیں — ایک ایک سنگریزہ یہاں بے ستوں ہوا
بے تیاریاں پڑی تھیں تجھے لامکاں کی — کیا زیر بارِ منتِ سقف و ستوں ہوا

مرا دلیست بہ کفر آشنا کہ چندیں بار — بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردند

(چندر بھان برہمن)

اس شعر سے متعلق لطیفہ مشہور ہے۔ چندر بھان برہمن دارا شکوہ کا معتمد خاص تھا دارا شکوہ نے شاہ جہاں سے بہت تعریف کے ساتھ تعارف کرایا۔ شاہ جہاں کی فرمائش پر اس نے اپنا یہ شعر پڑھا۔ شاہ جہاں چیں بہ جبیں ہوا اور علامی سعداللہ خاں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے برجستہ یہ شعر پڑھا:۔

خرِ عیسیٰ اگر بہ مکہ رود — باز آید ہنوز خر باشد

بے چارہ چندر بھان بہت خفیف ہوا۔

کوئی دشمن ہو آسی یا مرا دوست | میں سب کا دوست کیا دشمن ہو کیا دوست
فقیروں کا بنا لو بھیس آسی | وہ شاہنشاہ خوباں ہے گدا دوست

وہاں پہونچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد | کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
وہاں بھی وعدۂ دیدار اس طرح ٹالا | کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بار عام کے بعد

گناہ گار کی سن لو تو صاف ہے یہ
کہ لطف رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد

طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو | لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خوار وں کا | سبو و خم کی بھی ٹھہرگئی دور جام کے بعد

الٰہی آسی بے تاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خط میں روز قیامت لکھا ہے نام کے بعد

نہیں اپنے گناہوں کا مجھے غم | میں آسی ہوں گنہ گار محمد

نعیم کیسی جحیم کیسی کرشمے سارے یہ حسن کے ہیں
کسی کو لوٹا ثواب ہو کر کسی کو مارا عذاب ہو کر

بلندی اس کی اسی کی پستی ہر ایک شے میں اسکی ہستی
عروج اسی کا رسول ہو کر، نزول اسی کا کتاب ہو کر

خبر جو محشر میں بھیڑ کی ہے، وہ حسرتوں کا ہجوم ہوگا
وہ داغ ہوگا کسی کے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہو کر

شناخت اس کی ہو سہل کیونکر کہ جب نہ تب بھی الگ نیا ہو
وہ دنکو خورشید ہو کے نکلے تو رات کو ماہتاب ہو کر

میں دل سے اس شیخ کا ہوں قائل جو میکدے میں پڑھے تہجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہو کر

فراق میں اس قدر نہ تڑپو ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
بڑھے گی کچھ اور بے قراری وصال میں کامیاب ہو کر

نہ میرے دل نہ جگر پہ نہ دیدۂ تر پہ
کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر

کسی نے لی رہِ کعبہ کوئی گیا سوئے دیر
پڑے رہے ترے بندے مگر ترے در پر

گناہ گار ہوں میں واعظو تمہیں کیا فکر
مرا معاملہ چھوڑو شفیع محشر پر

پلا دے آج کہ مرتے ہیں رند اے ساقی
ضرور کیا کہ یہ جلسہ ہو آب کوثر پر

اخیر وقت ہی آسی چلو مدینے کو۔ نثار ہو کے مرو تربت پیمبر پر

دہی جو مستوی عرش ہی خدا ہو کر اتر پڑا ہی مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

بجز تمہارے کسی کا وجود ہو یہ محال مگر تمہیں نظر آتے ہو ماسوا ہو کر

اول شعر پر لوگ معترض ہیں۔ لیکن اعتراض کا جواب مصرع اولیٰ میں موجود ہے۔ یعنی مستوی عرش ہے نہ کہ مستوی عرش تھا۔ مدینہ میں اترنا بہ اعتبار نزول صفات کے ہے جیسے آفتاب آئینہ میں اترتا ہے۔

ایک عالم ہی کہ مقتل میں ہی قاتل کیطرف دھار خنجر کی فقط عاشق بے دل کیطرف

اس سی مانگا بھی اگر کچھ تو اسی کو مانگا دیکھنا حوصلہ و ہمت سائل کیطرف

نسبت شرک بجز تہمت بے جا کیا ہی دل ہی جب اس کی طرف رخ ہی مقابل کیطرف

ترک دنیا تو ہی دنیا طلبی سی آساں چھوڑ کر سہل عبث جاتے ہیں مشکل کیطرف

کون اس گھاٹ سی اترا کہ حباب آسی

بوسہ لینے کو جھکے ہیں لب ساحل کیطرف

ظاہر میں تو ہیں، مگر نہیں ہم دریائے رواں نہوں کہیں ہم

پچھم تھے ہلال، بدر پورب　　　ہر سمت نظر پڑے ہمیں ہم

اللہ رے نورِ سجدہ شوق　　　مہ رو تم ہو تو مہ جبیں ہم

کہتے ہیں کہ ہم کو کس نے ڈھونڈا　　　جو ڈھونڈے وہاں ملیں ہم

بت خانہ و کعبہ کچھ نہ جانا آسی

کیا جانیں خلاف کفر و دیں ہم

تعجب ہے کہ تجھکو اپنے سینے میں نہ کیوں ڈھونڈا

کسی کو اپنی ہستی سے جو غفلت ہو تو ایسی ہو

جہاں ملنے کی ٹھہری مجھ سے میں بھی اے صنم گم ہوں

سوا تیرے نہ ہو کوئی جو خلوت ہو تو ایسی ہو

پکارا اس نے اپنا نام لیکر رات آسی کو

نہیں اب کچھ بھی غیریت محبت ہو تو ایسی ہو

تمہیں کثرت سے نفرت اور محو ذوق وحدت ہو

کچھ اس سے اور بڑھ جاؤ تو وحدت ہو نہ کثرت ہو

نہ ستاری کو شرم آئے نہ غفاری کو غیرت ہو　　　قیامت میں ترا بندہ ترے آگے فضیحت ہو

مرے منظر و نمیں تو ہو ڈھونڈتا تیری محبت ہو ۔ نہ دنیا ہو نہ عقبیٰ ہو نہ دوزخ ہو نہ جنت ہو

سوا تیرے نہ مائل ہو کسی پر یہ طبیعت دے
تری الفت ہو، تیرا عشق ہو، تیری محبت ہو

مجھے ہر طرح کی خود بینیوں سے کر دے بیگانہ
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تیری صورت ہو

ہماری دید میں فہمید میں دے ایسی یکرنگی
کہ صورت عین معنے اور معنی عین صورت ہو

ہمارے قتل کی نوبت اگر آجائے مقتل میں
الٰہی دستِ قاتل میں تری تیغ محبت ہو

کہیں اکسیر سے بڑھ کر ہے دولت خاکساری کی
جہادِ نفس کا شاید یہی مالِ غنیمت ہو

جنابِ شیخ زہدِ خشک سے کیا کام نکلیگا
در پیر مغاں ہو اور دخترِ رز سے صحبت ہو

ہو میل راہ ہدایت الف نہ بیچ میں جان ۔ اشارہ ہے کہ سمجھ ایک لا و الا کو

بہار خلد ہے اندھوں کے واسطے شاید — کہ کچھ نظر نہیں آتا ہے چشم بینا کو
اگر قبول کرو جلوہ بے حجابانہ — دکھاؤں محشر ہنگامۂ تمنا کو
نبی بھی ہو تو نہ کچھ زور جذب دل سے چلے — وصال حضرت یوسف ہوا زلیخا کو
اگرچہ وعدۂ فردا ہی بے خلاف ضرور — مگر وہ چاہے تو امروز کر دے فردا کو

کہتے ہو کہ غیر کو نہ چاہو — معلوم ہوا کہ تم خدا ہو
ہاں واعظو، اور کو نہ چاہو — اپنے دل کے تو آشنا ہو
ان سے ملنا ہوا ہے مشکل — اے وہم عدو ترا برا ہو
ہمت ہے تو راہ مختصر ہے — اے ننگِ طلب بس اٹھ کھڑا ہو
اللہ رے لذتِ شفاعت — کیا جانو تم اس کو بے گنا ہو

غم دور کرو عیش کا سامان دکھا دو — یا پیر مرے درد کا درمان دکھا دو
کچھ طور کے سرمے کی ضرورت نہیں مجھکو — خاکِ قدم اپنی مری آنکھوں سے لگا دو
سوتا ہے اسی نیند میں غافل ابھی آسی — اپنے قدم پاک کی ٹھوکر سے جگا دو

جز فنا عشق میں تدبیر مقرر نہ ہوئی — زندگی موت سے آخر کبھی جانبر نہ ہوئی
زیست انسان کی تا روز قیامت معلوم — جان لو ساعت دیدار مقرر نہ ہوئی
غیر محجوب حجاب رخ محبوب نہ تھا — مجھ سے تدبیر علاج دل مضطر نہ ہوئی
وہ نہ تھا ہم سے جدا ہم بھی جدا اس سے نہ تھے — نہ ہوئی پھر جو ملاقات تو کیونکر نہ ہوئی
زندگی کا نہ ادا خاک ہوا حق آسی — جان جب خاک رہ آل پیمبر نہ ہوئی

نہ سنتے تم جو دشمن کی زبانی — بہت دلچسپ تھی میری کہانی
تسلی کل کے وعدے پر غضب تھی — غم عشق اور امید زندگانی
انا الحق اور مشت خاک منصور — ضرور اپنی حقیقت اس نے جانی

بھلا آسی کے شکوے کا گلا کیا
محبت کو ہے لازم بدگمانی

خوف دوزخ نہ حرص جنت کی — بے غرض ہیں نے تجھ سے الفت کی
واہ رے الفت اپنی امت کی — مجھ سے بیکس کی بھی شفاعت کی
نہ کھلی کچھ حقیقت معراج — رہی پردے میں بات خلوت کی

خاکِ پاکِ علی ہوا اے دل
یہ ہوا اوجِ بامِ رفعت کی

پھر بھی ہم تم جدا جدا ٹھہرے
وصل میں بھی ادا ہے فرقت کی

حشر میں کون پوچھتا ہے کسے
قہر ہے دید خوب صورت کی

دردِ دل کتنا پسند آیا اسے
میں نے جب کی آہ اس نے واہ کی

کھنچ گئے کنعاں سے یوسف مصر کو
یوں چھپے حضرت سے قوت چاہ کی

بس سلوک اس کا ہی منزل اس کی ہے
اس کے دل تک جس نے اپنی راہ کی

واعظو کیسا بتوں کا گھورنا
کچھ خبر ہے ثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ کی

راہِ حق کی ہے تلاش آتی اگر
خاکِ رہ ہو مردِ حق آگاہ کی

واعظ مرا معاملہ میرے خدا کو سونپ
بندہ گنہگار وہ آمرزگار ہے

کثرت میں اور کیا ہے جو وحدت نہ پائیے
ہر ایک ایک ہے سو یا ہزار ہے

مستی میں کوئی راز جو آتی ہے فاش ہو
معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

وہ کیا ہے ترا جس میں جلوہ نہیں ہے — نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہیں ہے
وہ دل کیا کہ دلبر کی صورت نہ پکڑے — وہ مجنوں نہیں ہے جو لیلیٰ نہیں ہے
تری راہ میں کوئی کچھ کر نہ مرے — یہ دینا تو لینا ہے دینا نہیں ہے

مجھکو ہنگامۂ محشر سے غرض — بس تمنا ترے دیدار کی ہے
چار یارانِ نبی میں آسی (ق) — نسبت مجھے ہر یار کی ہے
طلبِ راہِ خدا میں لیکن — پیروی حیدر کرار کی ہے

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کہئے
بات کہنے کی نہیں ہے بخدا کیا کہئے
لالہ و گل میں اسی رشکِ چمن کی ہے بہار
باغ میں کون ہے اے بادِ صبا کیا کہئے
ہم کہاں، ہم تو ہیں معدوم، مگر ہے کوئی
کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہئے
سب بدل سکتے ہیں یہ سمع و بصر ہوش و خرد

میری ہی سُنتے نہیں میرے رفقا کیا کہئے
کعبہ جب گھر ہے تو بت خانہ میں ہونا کیسا
اس کو بے جا کہیں یا کہئے بجا کیا کہئے

ایک ہستی کے سوا کچھ بھی نہ جانا ہم نے
اے بکیرین پھر اور اس کے سوا کیا کہئے
آسیؔ خاک نشیں ہے تو سیہ کار ضرور
سگ درگاہِ رشیدی ہے برا کیا کہئے

(ے قطب الاقطاب حضرت شیخ محمد رشید جونپوری صاحب مناظرہ رشیدیہ)

وصل ہے پھر دل میں اب تک ذوقِ غم پیچیدہ ہے
بلبلا ہی عین دریا میں، مگر نم دیدہ ہے
بے حجابی وہ کہ ہر صورت میں جلوہ آشکار
گھونگٹ اس پر یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
دل کی وسعت وہ کہ نقطے سے بھی کم سات آسماں
جسم یہ لاغر خطِ وہمی سے بھی کاہیدہ ہے

دیکھیے کس چیز سے تشبیہ تیرے حسن کو
ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

دم بخود رہنے دو، کیوں رسوا ہو مجھکو چھیڑ کر
غیر دریا بلبلے میں اور کیا پوشیدہ ہے

اے بت خانوں میں سجدے ایک کعبے کے عوض
کفر تو اسلام سے بڑھ کر ترا گرویدہ ہے

آدمی کی سرکشی غفلت ہے اپنی اصل سے
ذوقِ سجدہ قطرۂ اُفتادہ میں پیچیدہ ہے

حشر میں منہ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے ہائے
آسیؔ گستاخ کا ہر جرم نابخشیدہ ہے

کچھ کہوں، کہنا جو میرا کیجئے
چاہنے والے کو چاہا کیجئے

وصلِ تیغِ جفا کا رہ نہ جائے
آیئے خونِ تمنا کیجئے

فتنۂ روزِ قیامت ہے وہ چال
آج وہ آتے ہیں؟ دیکھا کیجئے

کس کو دیکھا ان کی صورت دیکھکر
جی میں آتا ہے کہ سجدا کیجئے

نقشے سب برپا کئے ہیں حسن نے
میری الفت کو نہ رسوا کیجئے

ہو مسلم وسعتِ ذوقِ نظر
قطرے میں جب سیرِ دریا کیجئے

حورِ جنت ان سے کچھ بڑھکر سہی
اب دل گیا کیا تمنا کیجئے

جوش میں آ جائے رحمت کی طرح
ایک اک قطرہ کو دریا کیجئے

نام اگر درکار ہے مثلِ نگیں
ایک گھر میں جم کے بیٹھا کیجئے

مل چکے اب ملنے والے خاک میں
قبر پر جا جا کے رویا کیجئے

کون تھا کل باعثِ بے پردگی
آپ مجھ سے آج پردا کیجئے

ایک وصل ان کا وہ قسمت میں نہیں
اور کس شے کی تمنا کیجئے

راہ تکتے تکتے آسی چل بسا
کیوں کسی سے آپ وعدہ کیجئے

قبر پر مجھ سے روؤ گے نہ پاؤ گے جواب
پھر کے آتے نہیں جان سے جانے والے

صورتِ نقشِ قدم بیٹھے ہیں کوچے میں ترے
دیکھیں کس طرح اٹھاتے ہیں اٹھانے والے

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ :-

سعدیا راستی ز خلق مجوے | چوں تو در نفس خود نمی یابے
جائے گریہ است بر مصیبت پیر | چوں تو کودک ہنوز لعابے
باہمہ عیب خویشتن ہمہ روز | در تکاپوئے عیب اصحابے
گر ہمہ علم عالمت باشد | بے عمل مدعی و کذابے
پیش مردانِ آفتاب صفت | با ضافت چہ کرم شب تابے
پیر گشتی درہ نہ دانستی | تو نہ پیری کہ طفل کتابے

کے دعائے تو مستجاب شود
کہ ہمیگر دی دردہ محرابے

یارب از جنسِ ماچہ خیر آید | تو کرم کن کہ رب اربابی
غیب دان و لطیف بے چونی | ستر پوش و کریم و توابی

بداں را نیک داری مرد ہشیار | کہ نیکاں خود بزرگ و نیک روزند

خداوند تبارک و تعالیٰ می بیند و می پوشد و ہمسایہ نمی بیند و می خروشد۔

نکو بودے اگر خلق غیب داں بودے   کسی بحال خود از دست کس نیاسودے

ضعیفاں را مکن بر دل گزندے   کہ درمانی بجور زورمندے

نہ رود مرغ سوئے دانہ فراز   چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائب دگراں   تا نہ گیرند دیگراں بہ تو پند

ندہد مرد ہوشمند جواب   مگر آنکہ کزو سوال کنند
گرچہ بر حق بود فراخ سخن   حمل دعویش بر محال کنند

مشو غرہ بر حسن گفتار خویش   بہ تحسین ناداں و پندار خویش

علم چنداں کہ بیشتر خوانی   چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند   چار پائے برو کتابے چند

کریماں را بدست اندر درم نیست — خداوندان نعمت را کرم نیست

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتی بان
چہ باک از موجِ بحر آں را کہ باشد نوح کشتی بان

اصحاب کہف یہ دعا مانگا کرتے تھے

اَھیا شَراھیا ادونائی اَصبَاوت آلِ شدّائی

(زبان سریانی)

ترجمہ

خدایا۔ اے قدوس۔ حاجت روا۔ فریادوں کا سننے والا۔ بہت بڑا طاقت ور +

حضرت آسی :-

نہ کہیں کے بادہ پرست ہم، نہ ہمیں یہ کیف شراب ہے
لب یار چوسے تھے خواب میں وہی جوش مستیٔ خواب ہے

وہی پیش چشم ہے ہر نظر، مگر اب بھی شوق نقاب ہے

وہی میری ہر رگ و پے میں ہو مگر اب بھی مجھ سے حجاب ہے

اگر آنکھ کھولو تو کچھ نہیں، اثرِ وجود بجز فنا!
ہے سوادِ ہستیِ بے بقا کہ بیاضِ چشمِ حباب ہے

کوئی گل نہیں کہ نہ جس میں ہو مرے گل کی نکہت جانفزا
مرے مست کرنے کو پھول بھی تو چمن میں بادۂ ناب ہے

کبھی دل میں بھی تجھے غور ہو کہ نظارے کا یہی طور ہو
یہ سمجھ تری کہ وہ اور ہو، یہی منہ پہ اس کے نقاب ہے

دلِ عندلیب پہ شوق نہیں، گل و لالہ کے یہ ورق نہیں
مرے عشق کا وہ رسالہ ہے ترے حسن کی یہ کتاب ہے

جو حجاب تھا وہ اٹھا مگر کہ وہ دل میں اب ہوئے جلوہ گر
مرے گھر میں بارے گیا گزر یہ خیال ہے کہ خواب ہے

کہیں پوچھ ہی اٹھے وہ صنم کوئی دم کٹا ہے بغیر غم؛
وہ محاسبے میں ہیں دمبدم جسے خوفِ روزِ حساب ہے

پئے ترکِ شاہدو مے ابھی کروں استخارہ میں کس طرح
وہ جو خاکِ پاک کی سبحہ تھی وہ رہینِ جامِ شراب ہے

وہ ہزار آسیؔ زار سے ملیں لطف و رحم سی پیار سے
مگر اپنے دل میں نہ دیں جگہ کہ وہ ایک خانہ خراب ہے

میری آنکھیں اور دیدار آپکا — یا قیامت آگئی یا خواب ہے
کچھہ نہیں ہوتا ہے جبتک کچھہ نہو — یہ طلسم عالم اسباب ہے

چوٹ کھائی تم نے اے آسیؔ کہیں
کچھہ نہ کچھہ دل آج لذت یاب ہے

حجاب گنج مخفی میں نہاں تھے — الٰہی ہم کہاں آئے کہاں تھے
کسی نے بھی نہ دیکھا ہم کہاں تھے — بدن تھی خلق ہم اندر جاں تھے
عیاں ایسے کہ ہر شے میں نہاں تھے — نہاں ایسے کہ ہر شے میں عیاں تھے
بسان نالہ سر کھینچا ہے باہر — ہم اہل درد کے دل میں نہاں تھے
رہے رستے ہی میں قدموں سے چھٹ کر — مگر ہم نقش پائے رفتگاں تھے
جب اس کوچہ کی تھی حاصل گدائی — خداوند زمین و آسماں تھے
کچھہ ایسے نشہ ہستی سے بہکے — نہیں جانا کہاں آئے کہاں تھے

سراپا درد تھے مانندِ دل ہم
مرض تھے پر نصیب دوستاں تھے

بہارِ باغ ہستی تھی ہمیں سے
نظر سے گو بہ رنگ بو نہاں تھے

عیاں ایسے کہ تھے سب سے نہاں ہم
نہاں ایسے کہ ہر شے سے عیاں تھے

نہ تھا معشوق جس میں غیر عاشق
عجب خلوت تھی وہ بھی ہم جہاں تھے

اٹھے ہم اٹھ گیا پردہ دوئی کا
ہمارے اس کے بس ہم درمیاں تھے

مرے پہلو میں کل گو بیٹھے آسی
مگر جب تک تھے مثلِ دل تپاں تھے

انہیں کانوں سے انا الحق کے سنے ہیں جو ہوئے
آدمی عشق میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے

غیر کو غیر جو کہیے تو غلط ثابت ہو
اور کہیے کہ وہی ہے تو خفا ہوتا ہے

سوئے منصور انا الحق کی غلط نسبت تھی
کوئی کہہ دے کہیں بندہ بھی خدا ہوتا ہے

دل جو تھا خاص گھر اس کا نہ بنایا افسوس
مسجد و دیر بنایا کرو کیا ہوتا ہے

امتیازِ من و تو کچھ بھی تو باقی رہتا
بادۂ جلوہ غضب ہوش ربا ہوتا ہے

دشمنِ زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے
قطرہ دریا سے جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے

محو و اثبات کے جھگڑے میں پھنسا کر ہمکو
دیکھیں کب لطف ترا عقدہ کشا ہوتا ہے

بے حجابی ہی پسند انکو ابھی کل کی ہے بات
آج پردے میں ہیں پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

ابھی دیکھا نہیں اسیر تو یہ بیتابی ہے
دیکھیے دیکھ کے کیا حال مرا ہوتا ہے

پھر گئے خلد کو آدم مگر ابلیس تو جائے
نہ برا سوچ کسی کا کہ برا ہوتا ہے

ہمت شیخ کی صیقل کی بدولت آسی
یہی دل آئینۂ روئے خدا ہوتا ہے

زخم دل ہم دکھا نہیں سکتے
دل کسی کا دکھا نہیں سکتے

ہاں وہ صورت دکھا نہیں سکتے
کیا صدا بھی سنا نہیں سکتے

وعدہ بھی ہے تو ہے قیامت کا
جس کو ہم آزما نہیں سکتے

لذت اک گونہ چاہیے ہم کو
کیا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے

پارے کی طرح شعلۂ غم لے کے اڑ گیا
ڈھونڈھو گے بھی تو پاؤ گے اب تم کہاں مجھے

صبر و قرار و ہوش و خرد کس کو دو دیئے
پامال کر رہا ہے غم رفتگاں مجھے

لائی عدم سے لے بھی چلی جانب عدم
کیسی رفیق راہ ہے عمر رواں مجھے

آسی شہید عشق ہوں مردہ نہ جانیو
مر کر ملی ہے زندگی جاوداں مجھے

پھر مزاج اس رند کا کیونکر ملے ... جسکو اس کے ہاتھ سے ساغر ملے
یہ بھی ملنا ہے کہ بعد از صد تلاش ... حد وہم و فہم کے باہر ملے
ظاہر و مظہر میں فرق ایسا نہیں ... پیر ہاتھ آیا تو پیغمبر ملے
کس قدر ٹھہرا بلند ان کا مقام ... مل گیا مولا جسے حیدر ملے

آسی گریاں ملا محبوب سے
گل سے شبنم رو کے جسطرح ملے

ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ ... دنیا جسے کہتے ہیں عجب راہ گذر ہے
پہونچو گے اسی کوچے جس راہ سے گزرو ... جو راہ ہے اس کوچہ کی بے خوف و خطر ہے
انجام کی منزل ہے کڑی دیکھئے کیا ہو ... دنیا میں جو آئے ہو یہ آغاز سفر ہے
سُنتے ہیں کہ ہر سمت نظارہ ہے اسی کا ... جو آگے نہ پیچھے نہ ادھر ہے نہ ادھر ہے

شمشاد سے آسی کے عجب رنگ سُنے ہیں ... اپنی نہ خبر کچھ نہ پرائے کی خبر ہے
لغزش ہوئی جب حضرت آدم کو نبی کو
آسی کو بُرا کیوں کہو وہ بھی تو بشر ہے

غش نہ آجائے کہیں مانند موسیٰ دیکھئے
میری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلوہ دیکھئے

نور و ظلمت جو ہے سب میں ایک جلوہ دیکھئے
رنگ و بیرنگی میں سب میں رنگ پیدا دیکھئے

کی نظر جس نے مرے باطن میں تو ظاہر ہوا
وہ بھی قطرہ ہی نہ جس قطرہ میں دریا دیکھئے

آفتاب روئے لیلیٰ جلوہ گر ذروں میں ہے
چشم مجنوں سے جو موج ریگ صحرا دیکھئے

میں تصور سے اٹھا دیتا ہوں پردہ بیچ کا
ہجر کی شب آپ بھی میرا تڑپنا دیکھئے

دیکھئے قابل سبھی ہر لالہ و گل اے بہار
کچھ نظر آتا نہیں تیرے سوا کیا دیکھئے

خاک میں مل کر بھی آنکھیں بند ہوں ممکن نہیں
راہ تیری صورت نقش کف پا دیکھئے

خاک ہو کر بھی نہ چھوڑیں دامن محبوب ہم
دست مجنوں دیکھئے دامان صحرا دیکھئے

آپ سے جو پردۂ افلاک سے چھپتا نہ تھا
ہم نے سینے میں چھپا رکھا وہ جلوہ دیکھئے

بھُج پھڑکت ہیں تورے ملن کو سرون سنن کو بین
من مالا تورے نام کا جپت رہت دن رین

(لا اعلم)

من ماں راکھوں من جرے تو تو مُکھ جر جائے
گونگے کا سپنا بھئو سمجھ سمجھ پچھتائے "

ہم تم سامی ایک ہیں کہت سُنن کو دوئے   من کو من سے تولئے تو دو من کبھی نہ ہوئے

کاجر دوں تو کر کرائے سُرما دیا نہ جائے   جن نینن ہاں پیا بست ہیں دوجا کون سمائے

نین رکت پاتی لکھوں جو بس ہوئے ہمار   اچھر بن کاگد چڑھوں دیکھوں درس تہار

من چاہوں کہ اڑ ملوں اور پر بن اڑا نہ جائے   کا کہوں کرتار کو جہ پرنا دیا لگائے

آؤ پیارے درگہن میں ہیں موند تو ہی لوں   نا میں دیکھوں اور کو نا تو ہے دیکھن دوں

اوس اوس سب کوؤ کہے آنسو کہے نہ کوؤ   ہی برہن کے سوگ میں رین رہی ہو روئے

گھونگھی بن ہاں دیکھ کے کیسی بوجھی بات   بھنی ڈوبلی رکت میں اور سین جات اُترات

داگ کٹھن سب آگ ہیں برہ داگ بیراگ   تل دھر نکلی ٹھور نہیں [illegible] آگ پہ داگ

اٹھا بگولا پریم کا اور تنکا چڑھا اکاس　　تن کا تھا سو تن میں ملا اور تنکا تن کے پاس

سائیں بھروسا جان کے پاپ کیا بھر موٹ　　جیسے نار گکرم کرے اور چھپے پیا کے اوٹ

لا اعلم

کَفَاکُموا مِنْ عَظِیْمِ الْقَدْرِ اِنَّکُمُوا
مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلوٰۃَ لَہٗ　(امام شافعی)

تمہاری عظمت کے لئے یہ کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود نہ بھیجے اس کی عبادت ہی نہیں ہوتی۔ یہ اہل بیت کے متعلق اور ان کو مخاطب کر کے امام شافعی نے لکھا ہے التحیات میں امام شافعی کے نزدیک درود کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک درود واجبات سے ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ گو ضروری ہے +

حضرت آسی :-

گئی جوانی اب آئی پیری زخشت رز سے دل آشنا کر
عوض میں نشہ کے تل رہا ہی خمار آنکھوں میں تیری آکر

بتوں کا بندہ رہے گا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر
نہیں اب ایام خواب غفلت خیال اپنی مآل کا کر
اتر گیا نشۂ جوانی تو لطف کیا جام مے چڑھا کر
بتوں کا بندہ رہے گا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر
مزا ہے الفت پرستیوں کا خدا پرستی یہاں کہاں ہے
تری نماز و عبادت ایدل حرم کے طاقوں میں بے اُنگاں ہے
جو ہو سکے تو قضائے عمری اس ایک سجدے میں سب ادا کر
نہ ہے یہ منت کش اقامت نہ اس کو کچھ حاجت اذاں ہے
حضور دل سے جو ہو ادا تو نماز اس ڈھب کی پھر کہاں ہے

فنا ہے سب کا نشان اک دن ہے نام باقی بس اک خدا کا
غبار برباد سب کے سب ہیں چلا قضا کا جو کوئی جھونکا
اگر نہ ہو شبہ کسی کو اس میں تو ہائے مجھکو بتا دو اتنا
کہاں ہیں جمشید کہاں سکندر کہاں سلیماں کہاں ہے دارا
کہاں ہے مجنوں کہاں ہے لیلے کہاں ہے وامق کہاں ہے عذرا

کہاں ہے جم اور کہاں سکندر کہاں سلیماں کہاں ہے دارا
یہ سب کے سب خاک کے تھے پتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

اپنی روش ہے حسن پرستی مذہب کیسا ملت کیسی
مومن میں ہیں اہم نہ ہندو میں

لعد رضی اللہ عنہ ۔ حضرت آسی کی تاریخ وفات ۔

۱۳ ۳۵
شد جہاں بے او بچشم من سیاہ — محو ذات اللہ حلیم پاکباز
۱۳۴۲ - ۷ = ۱۳۳۵

مولوی محمد احمد صاحب ایمن ۔

شاہ شاہد علی صاحب سبز پوش سجادہ خانقاہ رشیدیہ جونپور خلیفہ و جانشین
حضرت آسی نے ذیل کی آیت کریمہ سے تاریخ نکالی ۔ یہ تینوں تاریخ وفات
لاجواب ہیں ۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ
أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ
نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ہ
اُولٰئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ

۱۳ ۳۵

آخری سطر سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی وکرامت اسی سے ظاہر ہے کہ اس آیت کریمہ سے ان کی تاریخ وفات نکلی جس میں یہ خوش خبری دی گئی ہے جو لوگ اللہ کے لئے جان دیتے ہیں وہ مرتے نہیں اور اللہ ایسے لوگوں پر صلات ورحمت نازل کرتا ہے۔ سبحان اللہ حضرت آسی کا کیا مقام تھا۔ ایک بار ان کی وفات کے بعد ایک بزرگ سیاح نے مجھ سے کہا تھا ایک دوسرے بزرگ کا ذکر کرتے ہوئے کہ فلاں بزرگ عاشق خدا ہیں لیکن حضرت آسی پر خدا عاشق تھا۔

اس تاریخ کے متعلق ایک بات بتلا دینی ہے "اولئک" کا ہمزہ اعداد میں شمار کیا گیا ہے۔ ہمزہ کا ایک عدد چاہے لیا جائے یا نہ لیا جائے پھر بھی تاریخ صحیح باقی رہتی ہے۔ اس لئے کہ کتابت قرآنی اس آیت کریمہ میں صلوات کے لفظ میں الف کے ساتھ اور بغیر الف کے دونوں طرح سے وارد ہے۔ اگر اُلئک کے ہمزہ کا ایک عدد لیتے ہیں تو صلوٰتٌ کا لفظ بغیر الف کے لکھا جائیگا۔ اور اگر ہمزہ کا عدد نہ لیا جائے تو صلوت میں واؤ کے بعد الف لکھا جائے گا۔

رباعیات آسی

توقیر بغیر جستجو ملتی ہے　　ذلت گردش میں چار سو ملتی ہے
موتی سے یہ بات ہے کہ موتی کی طرح　　کنج عزلت میں آبرو ملتی ہے

اک عمر رہ طلب میں چکر کھایا　　آخر دل میں سراغ اس کا پایا
دل میں دیکھا تو آئینہ کی صورت　　جز اپنے کوئی نظر نہ مجھکو آیا

ہستی پہ عدم سے کیا وہ لایا ہم کو　　آرام سے سوتے تھے جگایا ہم کو
پھونکی نہیں روح قالب خاکی میں　　در پردہ یہ خاک میں ملایا ہم کو

کیا حسرت دید ہے خدایا ہم کو　　مانند نظر جس نے پھرایا ہم کو
کہتا ہے کہ میں نور نظر تیرا ہوں　　یوں ہی سہی پر نظر نہ آیا ہم کو

جن سے یہ رہ و رسم کی وہ رہزن نکلے　　بھولا جنھیں سمجھے تھے وہ پرفن نکلے
جان اپنی جن احباب کو ہم سمجھے آہ،　　وہ دل کی طرح ہمارے دشمن نکلے

پھر بادۂ تند غصہ پینا ہوگا
پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہوگا
جینے نے یہاں مار ڈالا آسیؔ
سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

دعویٰ تو وفا میں کوئی سچا نہ ملا
جو کوئی ملا غرض سے گویا نہ ملا
دشمن سے بھی کی اپنی محبت میں نے
پر کوئی مرا چاہنے والا نہ ملا

کامل جو ہوئی طلب تو کیا کیا نہ ملا
کیوں کوئی کہے کسی کو ڈھونڈا نہ ملا
بس ہوں کہ جو کوئی ڈھونڈے پہلو میں ہوں
پر کوئی مجھے ڈھونڈنے والا نہ ملا

کیا نیستی ہست نما کی ہستی
دھوکے سے بھری ہے ماسوا کی ہستی
آسیؔ اس دھوکے میں نہ آنا ہرگز
ہستی ہے تو بس خدا کی ہستی

وحدت جسے کہتے ہیں وہی کثرت ہے
کثرت جسے سمجھے ہو وہی وحدت ہے
واصل ہے نہ موصول نہ گنجائش وصل
محفل ہے نہ خلوت ہے عجب صحبت ہے

سرمایۂ نازِ بے نیازی تیری — سامانِ مرادِ چارہ سازی تیری
دل ساویران گھر بسایا تو نے — اللہ اللہ دلنوازی تیری

میت پہ میری کوئی رہ جاتا ہے — کوئی یہ کہہ کے ہوش کھو جاتا ہے
جاگو جاگو لگی سواری در پر — چلنے کو جو ہوتا ہی وہ سو جاتا ہے

نیکی کرتا ہوں میں بدی سے پیہم — پہنچے جو ستم کوئی تو سمجھوں اسے کرم
آنکھیں قدموں تلے بچھاؤں آسی — پامال اگر ہوں صورتِ نقشِ قدم

بنامِ جہاں دار جاں آفریں — حکیمِ سخن در زباں آفریں
خداوند بخشندۂ دستگیر — کریم خطا بخش و پوزش پذیر
عزیزے کہ ہر گز درش سرتافت — بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت
سرِ بادشاہانِ گردن فراز — بدرگاہِ او بر زمین نیاز
نہ گردن کشاں را بگیرد بفور — نہ عذر آوراں را براند بجور
وگر خشم گیرد بکردار زشت — چو باز آمدی ماجرا در نوشت

دگر با پدر جنگ جوید کسے — پدر بے گماں خشم گیرد بسے
وگر خویش راضی نباشد ز خویش — چو بیگانگانش براند ز پیش
دگر بندہ چابک نیاید بکار — عزیزش ندارد خداوندگار
(سعدی)

یا یہ حالت تھی کہ تلوار بھی تھی غالب کُفو — یا مساوات کا اسلام کی پھیلا یہ اثر
بارگاہ نبوی کے جو موذن تھے بلال — کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں — جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
ہیں غلام حبشی اور حبشی زادہ بھی ہوں — یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہشِ تزویج بھی ہے — ہے کوئی جسکو نہو میری قرابت سے حذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور — جسطرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
عہدِ فاروق میں جسدم کہ ہوئی انکی وفات — یہ کہا حضرتِ فاروق نے بادیدۂ تر

اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا!
اٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر (شبلی)

میسر میں میر وہی ہے جو امیر ہوئے پہ غرور کرے نا!
بیر میں بیر وہی ہے جو فقیر ہوئے پہ سوال کرے نا!

تعریف اسی تروار کی ہے جو دھار پہ اپنو دہرے نا مرے نا
مرد میں مرد وہی ہے بھلو جو کہے سو کرے جو کرے سو کہے نا

لا اعلم

سوال شاعر آگ لگی ہے برکش کو، جلنے لاگے پات
تو کیوں جلے ہے پنکھیا پنکھ ہیں تیرے پاس
جواب طائر پھل کھائے اس برکش کے گندے کینے پات
اب ہی میرا دھرم یہ، جرجاؤں یہ ساتھ (رحمن)

ین کاٹ جل دھوئے کہائے ادھک پیاس رحمن بہت سراہئے موے میت کی آس

رحمن پانی راکھیو، بن پانی سب سون پانی گئے نہ اوبرے موتی مانس چون

من موتی، اور دودھ رس کے یہی سبھاؤ
پھاٹے سے پھر نا ملیں، کوٹن کرو اُپاؤ

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام تو ہے عرفانِ محبت عام نہیں

اب لفظ و بیاں سب ختم ہوئے اب دیدہ و دل کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا اب عشق کا کچھ پیغام نہیں

آتا ہے جو بزمِ جاناں میں پندارِ خودی کو توڑ کے آ
اے ہوش و خرد کے دیوانے یاں ہوش و خرد کا کام نہیں

زاہد ترے ان سجدوں کے عوض سب کچھ ہو مبارک تجھکو مگر
وہ سجدہ یہاں ہے کفرِ جبیں جو سجدہ کے خود انعام نہیں

(جگر)

اقبال کی خواہاں فطرت ادبار کا حامی کون کرے
احساسِ خودی بیدار ہے اب در در کی سلامی کون کرے

فرعون کا استکبار گیا اب روش میں دورِ نزار گیا
خالق ہی کا سجدہ مشکل ہے بندوں کی غلامی کون کرے

کشمکش

نالہ کروں تو صبر و سکوں کے خلاف ہو
گر چپ رہوں تو جوشِ جنوں کے خلاف ہو

آنکھوں کو چپکے چپکے یہ سمجھا رہا ہوں میں
ایسا نہ ہو کہ رازِ دروں کے خلاف ہو

افسونِ عشق و سحر نظر مانتا ہوں میں
سائنس گرچہ سحر و فسوں کے خلاف ہو

قاتل نہ شرمسار ہو گمنام حشر میں
کہنا وہی جو دعوئ خوں کے خلاف ہو

آنکھیں کہیں کہ دل نے کیا ہے مجھے خراب
اور دل یہ کہے کہ آنکھوں نے مجھکو مٹا دیا
بگڑا کسی کا کچھ نہیں اے دردِ عشق میں!
دونوں کی ضد نے خاک میں مجھکو ملا دیا

سلام

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی | چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے
مقام یوں ہوا اس کارگاہ دنیا میں | کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے
طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو | کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے

انیس دم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

سلام

مرا راز دل آشکارا نہیں | وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں
وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ | وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور | وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں
بہت زال دنیا نے کی بازیاں | میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں
فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا | امیروں کا یاں تک گذارا نہیں
سکندر کی خاطر بھی ہے سد باب | جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں
گئے پہنے نعلین واں مصطفیٰ | فرشتے کا جس جا گذارا نہیں

جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا

جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں

بچھڑے دوست جب ہو گئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسین
فرس سے کسی نے اتارا نہیں

ترے صبر کے میں فدا یا حسین
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عروس سخن کو سنوارا نہیں

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے

نئے عنوان سے زینت دکھائینگے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہونگے

نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اسطرح سے حاجب روئے صنم ہونگے

بدل جائیگا انداز طبائع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہونگے

نہ پیدا ہوگی خط نسخ سے شان ادب آگیں
نہ نستعلیق خط اسطرح سے زیب رقم ہونگے

خبر دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی
کھلینگے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

عقائد پر قیامت ڈھائیگی ترمیم ملت کی
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلئے بے تال و سم ہونگے

(اکبر الہ آبادی)

ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی
اکبر

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

سید کی لوحِ تربت پر

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دین
ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں
وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے
محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جو اب نہ آئیں، اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دست ارباب سیاست کا عصا
عرض مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پرواہ تجھے
بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوت فرماں روا کے سامنے بے باک ہے
ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثال جام جم
پاک رکھ اپنی زباں تلمیذ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو
سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمن باطل جلا دے شعلۂ آواز سے

(اقبال)